مختصر از

فقہ الاولویات

قرآن وسنت کی روشنی میں

ڈاکٹر یوسف القرضاوی

نام کتاب:	فقہ الاولویات
مولف:	ڈاکٹر یوسف قرضاوی
مترجم:	مولانا ضیاء الدین ندوی
صفحات:	۹۰
قیمت:	

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین

مقدمہ کتاب

مقدمہ مولف

پہلی فصل:

۱—ترجیحات کے فقہ کی امت کو ضرورت

۲—ترجیحاتی مسائل کے تئیں امت میں بگاڑ اور فساد

۳—تدین پسند آدمیوں کے اندر بھی ترجیحات کے علم کی کمی

دوسری فصل: اوامر واحکام کے تعلق سے ہے

۱—اصول کی ترجیح فروع پر

۲—فرائض کی ترجیح سنن ونوافل پر

۳—سنن ومستحبات میں کوتاہی

۴—فرائض سے غفلت اور سنن ونوافل میں حد درجہ اشتغال

۵—فرض عین کی ترجیح فرض کفایہ پر

۶—حقوق العباد کی ترجیح حق اللہ پر

۷—جماعت کے حق کی ترجیح افراد کے حق پر

۸—امت کے انتظام وانصرام کی ترجیح فرد وقبیلہ پر

تیسری فصل: اصلاح کے تعلق سے ترجیحات کا معیار

۱۔خود کی اصلاح کی فکر کسی نظام کو بدلنے سے پہلے

۲۔ جہاد سے پہلے اس کی ٹریننگ لازمی ہے

۳۔تربیت کو ہر جگہ ترجیح حاصل ہے

۴۔فکری جنگ پھر اسلحہ کی جنگ

۵۔معتدل اور وسطی پہلو

۶۔شرعی قانون کو نافذ کرنے سے پہلے اس کا اعلان اور اس سے پہلے اس کی تربیت

مقدمۃ الکتاب

ہم آج دنیا کے مختلف مما لک میں بسنے والے علم وعمل کے شیدائیوں کے لئے ایک علمی وفقہی تحفہ پیش کرر ہے ہیں جس کا مقصد امت مسلمہ کے افکار وخیالات کو شرعی نکتۂ نگاہ سے ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا اور ان میں فکری وحدت پیدا کرنا ہے، اس فقہی تحفہ کا نام ''فقہ الاولویات فی ضوء القرآن والسنۃ'' ہے۔ کچھ سالوں پہلے علامہ یوسف القرضاوی نے اس کتاب کو طبع کرا کے لوگوں کے درمیان اسے پہنچایا تھا ہم نے ان کی کتاب سے اس میں جو تمہارے سامنے ہے صرف تین فصلیں منتخب کرتے ہیں اس لئے کہ امت محمدیہ کو اس کی سخت ضرورت درپیش ہے۔

پہلی فصل:

عنوان :

۱–ترجیحات کے فقہ کی امت کو ضرورت

۲–ترجیحاتی مسائل کے تئیں امت میں بگاڑ اور فساد

۳–تدین پسند آدمیوں کے اندر بھی ترجیحات کے علم کی کمی

دوسری فصل: اوامر واحکام کے تعلق سے ہے:

۱–اصول کی ترجیح فروع پر

۲–فرائض کی ترجیح سنن ونوافل پر

۳–سنن ومستحبات میں کوتاہی

۴ — فرائض سے غفلت اور سنن ونوافل میں حد درجہ اشتغال

۵ — فرض عین کی ترجیح فرض کفایہ پر

۶ — حقوق العباد کی ترجیح حق اللہ پر

۷ — جماعت کے حق کی ترجیح افراد کے حق پر

۸ — امت کے انتظام وانصرام کی ترجیح فرد وقبیلہ پر

تیسری فصل: اصلاح کے تعلق سے ترجیحات کا معیار:

۱ — خود کی اصلاح کی فکر کسی نظام کو بدلنے سے پہلے

۲ — جہاد سے پہلے اس کی ٹریننگ لازمی ہے

۳ — تربیت کو ہر جگہ ترجیح حاصل ہے

۴ — فکری جنگ پھر اسلحہ کی جنگ

۵ — معتدل اور وسطی پہلو

۶ — شرعی قانون کو نافذ کرنے سے پہلے اس کا اعلان اور اس سے پہلے اس کی تربیت

آپ کو مطالعہ سے اس کی اہمیت وافادیت کا اچھی طرح احساس ہوگا، ہمارے سامنے اس کے فوائد دو دو چار کی طرح عیاں ہیں اس لئے ہم اپنے حق پسند اور انصاف پرست بھائیوں سے کہیں گے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کریں اور اگر ضرورت سمجھیں تو دوسری زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ کریں تا کہ فکروں میں وحدت پیدا ہو، امت کے مختلف اذہان وقلوب ایک اسلامی پلیٹ فارم کے نیچے آئیں اور ایک بند مٹھی کی طرح متحد ہو کر اسلام کے جھنڈے کو مضبوطی سے پکڑ لیں، ہمارے عضو، عضو سے اسلام کی خوشبو آئے، اور اللہ کے دین کا ساری دنیا میں ڈنکا بجے۔ **والحمد للہ رب العالمین۔**

مصطفی محمد الطحان

مقدمہ از مؤلف

الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات الذی هدانا لهذا وما کنا لنتهدی لو لا أن هدانا الله، وصلوات الله وتسلیماته علی رحمته المهداة للعالمین سیدنا وإمامنا وأسوتنا وحبیبنا محمد وعلی آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلی یوم الدین۔

جس موضوع پر اس کتاب میں لکھنے جارہا ہوں یہ اس وقت کا ایک اہم اور حساس موضوع ہے، اس سے افکار وخیالات اور عقائد ونظریات کے اندر آنے والی گڑبڑی اور شریعت اسلامی کی رو سے اعمال وافعال کو اس کا صحیح مقام نہ دینے کی خرابی دور ہوگی، کس عمل کو مقدم اور کس کو موخر کیا جائے اور ایک عمل کو دوسرے عمل پر ترجیح کس بنیاد پر حاصل ہو، ترتیب اعمال ماموات میں کس طرح قائم کی جائے اس کا واضح علم اس کتاب سے حاصل ہوگا، عصر حاضر میں اولی اور راجح امور کو جاننے اور اس پر عمل کرنے سے امت اتنی نا آشنا ہے کہ اسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔

اس کتاب کا نام پہلے ''فقہ مراتب الاعمال'' منتخب کیا گیا تھا لیکن ادھر چند سالوں سے اس کا نام بدل کر ''فقہ الاولویات'' رکھ دیا گیا، تاکہ نام ہی سے مقصود واضح ہوجائے، ہماری کوشش ہوگی کہ شریعت کے بیان کردہ ترجیحات کے تمام یا کم از کم اکثر مسائل اس میں آجائیں، اور ساتھ ساتھ اس کی دلیل پر بھی روشنی ڈالی جائے، ہمیں ذات وحدہ لاشریک لہ سے امید بلکہ یقین ہے کہ یہ کتاب افکار کی سلامتی، اور شاہراہ زندگی کی درستگی میں ایک اہم کردار ادا کرے گی، اور طالبین حق اور سالکین طریقت کو تمام امور دینیہ شرعیہ میں تقدیم وتاخیر، تشدید وتیسیر اور تعظیم وتخفیف کے معیار سے واقفیت ہوگی، نیز غالی، متشدد اور مخلصین حضرات کو اپنے

اعمال وافکار پر نظر ثانی کا موقع فراہم ہوگا، میرا یہ دعوی تو نہیں ہے کہ میری یہ مختصر سی کتاب اس موضوع کا احاطہ کرلے گی بلکہ یہ تو اس موضوع پر ایک ہلکی سی جھلک اور چراغ کی ایک لو ہے لیکن انشاء اللہ اس سے قاری کا ذہن کھلے گا اور اسے سوچنے اور عمل کی توفیق ملے گی ''ولکل مجتہد نصیب''، اب میں اپنی بات ختم کرتا ہوں اور اسی بات پر اپنا قلم روکتا ہوں جسے شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے تبلیغ دین کے موقع پر کہا تھا، اللہ تعالی نے اپنے نبی کے اس قول کو پسند فرمایا اور قرآن کریم کا جز بنا کر قیامت کی صبح تک کے لئے اسے محفوظ کردیا وہ یہ ہے : ''إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب'' (میرا مقصد اپنی دعوت سے تم لوگوں کی اصلاح ہے جہاں تک ہو سکے، اور مجھے اس کی توفیق اللہ سے ملی ہے، اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔

یوسف القرضاوی

فصل اول: اولویات کو سمجھنا امت کے لئے ضروری

اس وقت اولویت کا سمجھنا ہمارے لئے ایک اہم اور ضروری چیز ہے، میں نے اسے اپنی بعض کتابوں میں ذکر کیا ہے جس کا نام ''فقہ الاولویات'' ہے، خاص کر فقہ مراتب الاعمال کا تذکرہ سب سے پہلے اپنی کتاب ''الصحوۃ الاسلامیۃ بین الجمود والتطرف'' میں کیا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ احکام واعمال کے مراتب ودرجات کے اعتبار سے عدل وانصاف کے پرائے میں پروئے جائیں اور اولی کو معاییر شرعیہ کا اعتبار کرتے ہوئے جو نور وحی اور نور عقل کی جانب رہنمائی کرے مقدم کیا جائے، اور غیر اولی کو اولی پر مقدم نہ کیا جائے، اور نہ ہی مرجوح کو راجح پر اور مفضول کو افضل پر کیا جائے۔

بلکہ ما حقہ التقدیم کے اعتبار سے مقدم اور ما حقہ التاخیر کے اعتبار موخر کیا جائے، اور چھوٹی چیز کو بڑی چیز کا درجہ نہ دیا جائے، اور نہ ہی پرخطر چیز کو آسان سمجھا جائے، بلکہ ہر ایک چیز کو اسی کے موضوع لہ میں بلا کسی کمی زیادتی کے عدل وانصاف کے تراوز سے تول کر وضع کیا جائے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

''والسماء رفعها ووضع الميزان، ألا تطغوا في الميزان، وأقيموا الوزن بالقسط ولا تخسروا الميزان'' (سورہ رحمن ۷:-۹)۔

(اللہ تبارک وتعالی نے آسمان کو بلند کیا اور دنیا میں ترازو رکھ دی تا کہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو اور انصاف کے ساتھ وزن کرو اور اسے کم مت کرو)۔

اس کی بنیاد اور علت یہ ہے کہ احکام واعمال شریعت کی نظر میں بہت متفاوت ہیں، اور تمام کے تمام مراتب میں یکساں نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے بعض کا مرتبہ بلند وبالا ہے تو بعض

کا کم، کچھ اصلی ہیں تو کچھ فرعی ہیں، بعض ارکان ہیں تو بعض اضافی اور تتمے ہیں، اور ایسے ہی بعض کی حیثیت متن کی ہے تو بعض کی حاشیہ کی اور بعض کی قدر و منزلت کے اعتبار سے اعلی اور ادنی، فاضل اور مفضول ہے۔

اس کی صراحت نصوص قرآن سے ثابت ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

"أجعلتم سقاية الحاج وعمارة المسجد الحرام كمن آمن بالله واليوم الآخر وجاهد فى سبيل الله لا يستوون عند الله والله لا يهدى القوم الظالمين، الذين آمنوا وهاجروا وجاهدوا فى سبيل الله بأموالهم وأنفسهم أعظم درجة عند الله وأولئک هم الفائزون" (سورۂ توبہ ۱۹:-۲۰)۔

(کیا تم لوگوں نے حجاج کے پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص کے برابر قرار دے دیا جو اللہ تعالی پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اور اسی نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہو سکتے، اور جو لوگ بے انصاف ہیں اللہ تعالی انہیں سمجھ نہیں دیتا ہے، اور جو لوگ ایمان لائے، اور ترک وطن کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا وہ درجہ میں اللہ تعالی کے نزدیک بہت بڑے ہیں اور یہی لوگ پورے طور پر کامیاب ہیں۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"الإيمان بضع وسبعون شعبة :أعلاها "لا إله إلا الله" وأدناها "إماطة الأذى عن الطريق"۔

(ایمان سے ستر سے بھی کچھ زیادہ شعبے ہیں، ان میں سب سے اعلی اور افضل لا إلہ إلا اللہ ہے اور ان میں ادنی درجہ کی چیز اذیت اور تکلیف دینے والی چیزوں کا راستے سے ہٹانا ہے)۔

اللہ تبارک وتعالی کا قرب حاصل کرنے کے لئے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم

اجمعین اولویات اعمال کے سب سے زیادہ حریص تھے، اسی وجہ سے ان حضرات کے عمل کی افضلیت کے بارے میں سوالات زیادہ ہیں اور ان اعمال کے متعلق جو اللہ تبارک وتعالی کو سب سے محبوب اور پسندیدہ ہیں جیسا کہ اس کے متعلق حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما وغیرہ کے سوالات اور آپ ﷺ کے جوابات کثرت سے ملتے ہیں، اسی وجہ سے اعمال کی افضلیت اور پسندیدہ اعمال کے متعلق احادیث زیادہ ہیں، یہاں ایک حدیث پر اکتفا کی جاتا ہے۔

"عن عمرو بن عبسة رضی اللہ عنه قال :قال رجل :یا رسول اللہ! ما الإسلام؟ قال ﷺ :أن یسلم اللہ قلبک، وأن یسلم المسلمون من لسانک ویدک، قال :فأی الإسلام أفضل؟ قال :"الإیمان"، قال :وما الإیمان؟ قال :أن تؤمن باللہ وملائکته وکتبه ورسله، والبعث بعد الموت، قال :فأی الإیمان أفضل؟ قال :"الهجرة"، قال :وما الهجرة؟ قال :أن تهجر السوء، قال :فأی الهجرة أفضل؟ قال :"الجهاد"، قال :وما الجهاد؟ قال :أن تقاتل الکفار إن نقیتهم، قال : فأی الجهاد أفضل؟ قال :من عفر جواره وأهریق دمه" (رواہ احمد باسناد صحیح)۔

(حضرت عمرو بن عبسہ ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اسلام کسے کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے دل اللہ کے واسطے مامون رہے، اور مسلمان تمہارے ہاتھ اور زبان سے مامون رہیں، پھر عرض کیا کہ کونسا اسلام افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: "ایمان"، پھر اس نے عرض کیا ایمان (کے بارے میں بتائیں کہ) کسے کہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں اور رسولوں پر اور بعث بعد الموت پر ایمان لانے کو یعنی یقین رکھنے کو ایمان کہتے ہیں، پھر اس نے عرض کیا کہ کونسا ایمان افضل اور بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہجرت"، پھر عرض کیا کہ ہجرت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: برائیوں کو ترک کرنا اور اس سے اپنے

آپ کو بچانا، پھر سائل نے عرض کیا کہ کونسی ہجرت سب سے بہتر اور افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جہاد'' اس کے بعد جہاد کے بارے میں عرض کیا جہاد کسے کہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کفار سے قتال کرنے کو جہاد کہتے ہیں، پھر عرض کیا کہ کونسا جہاد افضل اور بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے گھوڑے کے ہاتھ پیر کاٹ دیئے جائیں اور اس کا خون بہا دیئے جائیں)۔

اس شخص نے سوال وجواب کے ضمن میں جو چیزیں سامنے آئیں جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں اس کی اتباع کی اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ ہمیں سب سے پہلے اولی اور افضل باتیں بتائی گئی ہیں، اور اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے محبوب اور پسندیدہ ہیں، ان مذکورہ چیزوں کے مابین بہت ہی زیادہ تفاوت ہے، اور بعض احادیث میں اولی کا ذکر نسبۃً ہے، جیسے:

''صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ (الفرد) بسبع وعشرين درجة '' (متفق علیہ)۔

(ایک فرد کی نماز سے جماعت کی نماز ستائیس درجہ بہتر اور افضل ہے)۔

''سبق درهم مائة ألف درهم'' (رواہ النسائی وابن خزیمہ وابن حبان)۔

(ایک درہم ایک لاکھ درہم سے سبقت لے جاتا ہے)۔

''رباط يوم وليلة خير من صيام شهر وقيامه'' (رواہ احمد ومسلم والترمذی)۔

(اسلامی سرحدوں کی پاسبانی اور پہرہ داری صوم رمضان اور تراویح سے بہتر ہے)۔

''إن مقام أحدكم في سبيل الله أفضل من صلاته في بيته سبعين عاماً'' (رواہ الترمذی)۔

(اگر کوئی اللہ کے راستے میں چلے پھرے تو وہ گھر کی ستر سال کی نماز سے بہتر اور افضل ہے)۔

دوسری طرف اس کے بالمقابل اعمال سیئہ ہیں جس کے تفاوت کو اللہ تبارک وتعالی کے نزدیک کبائر وصغائر اور مشتبہات ومکروہات کے لفظ سے کیا گیا ہے، اور بعض دفعہ اس کے تفاوت کو بعض کی بنسبت بیان کیا جاتا ہے، جیسے:

"**درهم ربا يأكله الرجل، وهو يعلم، أشد عند الله من ستة وثلاثين زنية**" (رواہ احمد والطبرانی)۔

(انسان اگر ایک درہم ربوا جانتے ہوئے بھی کھاتا ہے تو وہ اللہ تعالی کے نزدیک چھتیس بار زنا سے زیادہ اشد اور قبیح ہے)۔

بعض اعمال وہ ہیں جن کو شر شمار کیا جاتا ہے اور بعض وہ ہیں جنہیں اس سے بھی زیادہ بدتر اور قبیح سمجھا جاتا ہے، جیسے:

"**شر ما في الرجل :شح هالع وحين جالع**" (رواہ البخاری)۔

(انسان کے اندر کی برائی دل کو دہلا دینے والا بخل ہے ---------)۔

"**شر الناس :الذی يسأل بالله، ثم لا يعطی**" (رواہ احمد والشیخان)۔

(لوگوں کا شر یہ ہے کہ وہ اللہ سے سوال کرتے ہیں اور اس کی تابعداری نہیں کرتے)۔

"**شرار أمتی الثرثارون المتشدقون المتفهيون، وخيار أمتی أحاسنهم أخلاقاً**" (رواہ البخاری)۔

(میری امت برائیاں یہ ہے کہ وہ فضول باتوں کی زیادہ قائل ہوگی، اور ان کی اچھائیاں اچھے اخلاق ہیں)۔

"**أسرق الناس :الذی يسرق صلاته، لا يتم ركوعها ولا سجودها، وأبخل الناس :من بخل بالسلام**" (رواہ الطبرانی)۔

(لوگوں کے اندر سب سے زیادہ چوری یہ ہے کہ وہ اپنی نماز میں چوری کرتا ہے یعنی

رکوع اور سجود کو اچھے طریقے سے ادا نہیں کرتا ہے، اور بخل یہ ہے کہ لوگوں سے سلام کرنے سے بخل کرے۔

قرآن کریم نے اس بات کو واضح کہا ہے کہ لوگ آپس میں برابر نہیں ہو سکتے، اگرچہ اصل خلقت کے اعتبار سے انسان ہونے کے تئیں مساوی ہیں بعض علم وعمل کے اعتبار سے آپس میں مساوی نہیں ہیں، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر ارشاد فرماتے ہیں:

"یا أیها الناس إنا خلقناکم من ذکر و أنثی و جعلناکم شعوباً و قبائل لتعارفوا، إن أکرمکم عند اللہ أتقاکم" (سورہ حجرات ۱۳:)۔

(اے لوگو ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت (یعنی آدم وحوا) سے پیدا کیا ہے، اس لئے اس میں انسان سب برابر ہیں اور فرق اس میں ہے کہ) تم کو مختلف قومیں اور (پھر ان قوموں میں مختلف خاندان بنایا یہ محض اس لئے تا کہ ایک دوسرے کی شناخت کر سکو، بے شک اللہ تبارک وتعالی کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے)۔

"قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون" (سورہ زمر ۹:)۔

(آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ کیا علم والے اور جہل والے برابر ہو سکتے ہیں۔

"لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر أولی الضرر والمجاهدون فی سبیل اللہ بأموالهم وأنفسهم، فضل اللہ المجاهدین بأموالهم وأنفسهم علی القاعدین درجة، وکلا وعد اللہ الحسنی، و فضل اللہ المجاهدین علی القاعدین أجراً عظیماً، درجات منه ومغفرة ورحمة وکان اللہ غفوراً رحیماً" (سورہ نساء ۹۵:۔۹۶)۔

(برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھر میں بیٹھے رہیں (یعنی جہاد میں نہ جائیں) اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں بلکہ اللہ تعالی نے ان لوگوں کا

درجہ بہت بلند بنایا ہے جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر میں بیٹھنے والوں سے، اور اللہ تعالی نے سب سے اچھے گھر کا وعدہ کر رکھا ہے، اور اللہ تعالی نے مجاہدین کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے بڑا اجر عظیم دیا ہے، یعنی خدا کی طرف سے بہت سے درجے ملیں گے اور گناہوں کی مغفرت اور رحمت، اور اللہ تعالی بڑے مغفرت والے اور بڑے رحمت والے ہیں)۔

"وما يستوى الأعمى والبصير، ولا الظلمات ولا النور ولا الظل ولا الحرور، ومايستوى الأحياء والأموات"(سورہ فاطر ۱۹:-۲۲)۔

(اندھا اور بینا برابر نہیں ہوسکتے، اور نہ ہی تاریکی اور روشنی اور چھاؤں اور دھوپ اور نہ ہی زندے اور مردے برابر ہوسکتے ہیں)۔

"ثم أورثنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا، فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد، ومنهم سابق بالخيرات بإذن الله"(سورہ فاطر ۳۲:)۔

(پھر ہم نے اس کتاب کو ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے (تمام دنیا جہاں کے) بندوں میں سے (باعتبار ایمان کے) پسند فرمایا ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں، بعض متوسط درجے کے ہیں اور بعضے ان میں وہ ہیں جو خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں)۔

ایسے ہی ہم نے لوگوں کے مابین تفاوت وامتیازات کو پایا جیسا کہ اعمال کے اندر تفاوت وامتیازات پائے جاتے ہیں، لیکن یہ ان کے امتیازات وہ علم وعمل، تقوی اور جہاد ہیں۔

امت کے اندر اولیت کے توازن کا بگاڑ:

زندگی کے مختلف پہلو کی طرف نظر کرتے ہوئے چاہے وہ مادی ہوں یا معنوی، فکری ہوں یا اجتماعی، اقتصادی ہوں یا سیاسی وغیرہ وغیرہ ان تمام کے اندر اولویت کے توازن میں ہر

طرح کی خرابی کے پہلونمایاں ہیں،ہم نے اسلامی ممالک میں ان چیزوں کے اندر عجیب وغریب مفارقات کو پایا جس کا تعلق فن اور ترقیہ سے ہے، وہ ہمیشہ تعلیم پر فوقیت لے جاتے ہیں۔

ہم نے نوجوانوں کی سرگرمیوں کو عقلی وروحانی ریاضت کے مقابلے میں بدنی ریاضت میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہوئے پایا،نوجوانوں کی ریاضت کا مطلب ہے اپنے اندر جسمانی پہلوکی حفاظت ہے،تو کیا انسان اپنے جسم اور عقل کی بنیاد پر ہے؟

ہمیں ابوالفتح البتی الشہیر ہ کا پرانا قصیدہ یاد آرہا ہے کہ

يا خادم الجسم كم تسعى لخدمته أتطلب الريح لما فيه خسران؟

أقبل على النفس واستكمل فضائلها فأنت بالنفس لا بالجسم إنسان!

(اے جسم کی دیکھ بھال کرنے والے تم کتنی اس کی معاونت اور خدمت کے لئے کوشاں رہتے ہو، کیا تم اس سے ایسے نفع کے طلبگار ہو جس میں نقصان ہی نقصان ہے؟ اگر نفس کا خیال کرنا اور اس کے لوازمات کو پورا کرنا ضروری ہے تو تم جان کی وجہ سے زندہ ہو نہ کہ جسم اور انسان ہونے کی وجہ سے)۔

ہمیں ایک شعر زہیر بن ابوسلمہ کا بھی یاد آرہا ہے کہ:

لسان الفتى نصف ونصف فؤاده فلم يبق إلا صورة اللحم والدم

(نوجوان کے کمال اور تہذیب کو جاننے کے لئے اس کی زبان کا حسن ہے یا دل کی صفائی، اگر یہ دونوں نہیں ہیں تو وہ صرف گوشت وخون کا ڈھانچہ ہے)۔

لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انسان ہر ایک چیز سے پہلے اپنے گوشت اور پٹھے کے ساتھ مشغول ہوتا ہے۔

گذشتہ ۱۹۹۳ء کے موسم گرما میں یہ سب باتیں مصر میں نہیں تھیں مگر اس لاعب کے متعلق جو فروحت کے لئے سامان دکھاتا ہے اور کلبوں کے درمیان سودے بازی کے لئے مارکیٹ میں اس کی قیمت کو ایک ملین پونڈ کا تین چوتھائی بڑھا دیتے ہیں۔

کاش وہ لوگ ریاضت کے ہر انواع کا اہتمام کرتے خاص کر اس ریاضت (کھیل) کا جس کے ذریعہ سے عوام الناس آج بھی اپنی زندگی میں فائدہ اٹھا رہے ہیں، حتیٰ کہ وہ لوگ مقابلے میں بھی حصہ لیتے ہیں، خاص کر فٹبال میں جس میں چند کھلاڑی کھیلتے ہیں اور تمام لوگ اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

بلاشبہ انہیں علماء، ادباء اور مفکر نہیں کہا جائے گا، بلکہ ان لوگوں کو کھلاڑی جیسے ناموں سے پکارا جائے گا۔

اخبارات ورسائل، ٹیلی ویژن اور ریڈیو جن کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں، لیکن ان کے اعمال وکردار اور معمولی سی یہ خبریں سب کی سب معمولی قسم کے ہیں اور ان کی حقیقت بے حقیقت ہے۔

ایک آرٹسٹ کی موت سے زمین تھرا اٹھتی ہے، اور اخبارات ان کی موت کی خبروں سے بھر جاتے ہیں، لیکن ایک بڑے عالم، اس کی موت کا کسی ایک فرد کو بھی احساس نہیں ہوتا ہے۔

مال واسباب کی طرف نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ریاضت، فن، میڈیا پر حکمرانوں کی طرف سے جن کو امین الدولہ کہا جاتا ہے، بڑے پیمانے پر مالی امداد کی رقم جمع کی جاتی ہیں، اور کسی بھی شخص کو اس کا محاسبہ کرنے کے لئے استطاعت نہیں ہوتی ہے، یہ تمام تر خرابیاں کیوں ہیں؟ تعلیم وصحت، مذہبی اور بنیادی خدمات پر خرچ کرنے سے بخیلی اور عجز وسادگی کا دعویٰ کرنے کے بارے میں شکایت کرتے ہوئے جبکہ میں ان لوگوں کے لئے دعا گو ہوں جو اپنی ترقی وکامرانی چاہتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہونا چاہتے ہیں، خیر معاملہ کچھ ایسا ہی ہے جو کہا جاتا ہے کہ یہ ایک مقام پر بخل کرتا ہے اور دوسری جگہ پر اسراف، اسے ابن مقفع نے بھی ذکر کیا ہے کہ میں نے جہاں بھی دیکھا وہاں ضیاع ہی ضیاع کو پایا۔

اولویت کے فہم میں متدین حضرات کی لغزش:

آج مسلمانوں کے عام لوگوں اور فاسد ذہن لوگوں تک ہی ترجیحی احکام کے سمجھنے میں کوتاہی و بگاڑ نہیں بلکہ یہ خرابی ان لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے جو اپنے کو دیندار کہتے ہیں اور ایسا صحیح علم اور صالح فکر کے نہ پائے جانے کے سبب ہے، بے شک علم تو وہ ہے جو راجح اعمال کو مرجوح سے اور افضل کو مفضول سے واضح کرے جیسا کہ صحیح اعمال کو اس کے فاسد سے اور مقبول کو مردود سے اور مسنون عمل کو اس کے بدعات وخرافات سے الگ کردے اور شریعت کی نظر میں اس کی قدر و قیمت متعین کرے، ہم کتنے ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں جو صالح فقہ اور علم نبوی کے نور سے محروم ہیں یہی لوگ اعمال کے درمیان حدود کو ختم کردیتے ہیں لہذا اچھے اور برے عمل کے درمیان تمیز کرنا مشکل ہوجاتا ہے یا شریعت کے برعکس من مانے طور پر اپنا حکم چلاتے ہیں لہذا افراط وتفریط کا شکار ہوتے ہیں، پس اس میں غلو کرنے والوں اور اس سے دور رہنے والوں کے درمیان دین ضائع ہورہا ہے۔ انہیں جیسے لوگوں میں سے ہم نے اکثر کو دیکھا ہے باوجودیکہ وہ مخلص ہیں، راجح کے مقابلہ میں مرجوع عمل میں لگے ہیں، مفضول عمل میں منہمک ہیں افضل عمل کو چھوڑے ہوئے ہیں۔

کبھی ایک ہی عمل، موقع ومحل کے اعتبار سے افضل ہوتا ہے جبکہ دوسرے موقع پر وہ مفضول ہے، کسی حالت میں راجح ہوتا ہے اور دوسری حالت میں مرجوح ہوتا ہے اور یہ لوگ اپنے ناقص علم وفہم کے سبب دونوں وقتوں اور حالتوں میں فرق نہیں کرتے نہ ہی دونوں مختلف حالتوں میں تمیز کرپاتے ہیں۔

میں نے ایسے پاک دل مسلمانوں کو دیکھا ہے جو ایسے شہر وعلاقہ میں مسجد بنانے کے لئے امداد وتعاون کرتے ہیں جہاں مساجد کی کثرت ہے اور اس کے لئے کئی کئی ملین ڈالر خرچ کرتے ہیں مگر جب ان سے اسلام کی نشر واشاعت کے لئے یا کفر والحاد کی بیخ کنی کے لئے

یا پھر دین کو مستحکم کرنے اور شریعت کو قائم کرنے کی خاطر کسی اسلامی عمل کی تائید میں نصف ملین یا اس کا چوتھائی حصہ خرچ کرنے کی اپیل کی جاتی ہے تو کوئی توجہ نہیں دیتے ان کو ان اہم کاموں سے کوئی دلچسپی نہیں ایسے بنیادی امور کو دین کی خدمت نہیں مانتے ان کو صرف پتھروں سے عمارت تعمیر کرنے کی فکر ہے افراد سازی اور مردم گری سے کوئی رغبت نہیں جبکہ یہ سب موجودہ وقت کے ترجیحی امور ہیں ایسے ہی بہت سے بڑے بڑے اہداف ومنصوبے ہیں جن کی تکمیل کے لئے افراد تو میسر ہیں لیکن مال ودولت فراہم کرنے والے اصحاب خیر نہیں ہر سال حج کے ایام میں مالدار خوش حال مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کو میں دیکھتا ہوں کہ نفلی حج کے لئے آتے ہیں یا رمضان شریف میں عمرہ کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کے لئے بھر پور سخاوت کے ساتھ خرچ کرتے ہیں بلکہ اپنے ساتھ اپنے خرچ پر ان غریب مسلمانوں کو بھی حج وعمرہ کے لئے لے جاتے ہیں جن پر حج فرض نہیں۔

اگر آپ ان سے کہیں کہ جناب سالانہ نفلی حج اور عمرہ پر خرچ ہونے والی یہ رقم فلسطینی مجاہدین کو دیں تا کہ یہودیوں سے جنگ کرسکیں یا افغانستان کے مظلوم مسلمانوں پر خرچ کریں جو اپنے گھروں کو آباد کرسکیں یا انڈونیشیا میں عیسائی مشنریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے دیدیں ایسے ہی افریقہ وایشیا کے خانما برباد شکستہ حال مسلمانوں پر خرچ کریں یا پھر دعوت وتبلیغ کے مراکز قائم کرنے اور اپنے موضوع وفن میں ماہر داعیوں کو تیار کرنے میں اور اہم اسلامی کتابوں کی نشر واشاعت میں یہ رقم فراہم کریں تو ان مالدار حضرات کو دیکھیں گے کہ اس کار خیر کے لئے تیار نہیں وہ اپنا رخ آپ سے پھیر لیں آپ کی گذارشات ان کے نزدیک محض بکواس ہے، جب کہ قرآن کریم میں وضاحت کے ساتھ ثابت ہے کہ اعمال جہاد کی جنس، اعمال حج کی جنس سے افضل ہے جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"أجعلتم سقاية الحاج وعمارة المسجد الحرام كمن آمن بالله واليوم الآخر وجاهد في سبيل الله لا يستوون عند الله والله لا يهدى القوم الظالمين، الذين

آمنوا وهاجروا وجاهدوا في سبيل الله بأموالهم وأنفسهم أعظم درجة عند الله وأولئك هم الفائزون، يبشرهم ربهم برحمة منه ورضوان وجنات لهم فيها نعيم مقيم"(سورہ توبہ ۱۹:–۲۱)۔

(کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنے کے کام کو اس شخص کے مثل بنایا جو اللہ اور آخرت کے دین پر ایمان لایا اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا، اللہ کے یہاں یہ سب برابر نہیں اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا، وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور مال وجان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ اللہ کے یہاں درجہ میں بہت بڑھے ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ان کا رب ان کو بشارت دیتا ہے اپنی رحمت اور رضا کی ایسی جنتوں کی جس میں ان کے لئے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں)۔

ان سب کے باوجود ان کا حج وعمرہ نفل اور تطوع کے باب سے ہے، بہرحال کفر والحاد، لادینیت اور ان کو مضبوط کرنے والی اندرونی وبیرونی طاقتوں کے خلاف جہاد کرنا اس وقت زمانہ کا بہت بڑا فرض وواجب عمل ہے۔

دوسال پہلے کی بات ہے حج کے زمانہ میں ہمارے دوست معروف ومشہور اسلامی اسکالر ومصنف استاذ فہمی ہویدی نے اپنے ہفتہ واری مقالہ میں لکھا تھا (اس وقت بوسینائی مسلمانوں کی نسل کشی کا سلسلہ چل رہا تھا) انہوں نے مسلمانوں سے پوری صراحت کے ساتھ کہا تھا بوسینا کو ظالم سربیوں سے بچانا اس وقت حج کے فرض کی ادائیگی پر مقدم ہے۔ مقالہ پڑھنے والے بہت سے لوگوں نے مجھ سے (دکتور یوسف قرضاوی) شرعی وفقہی رو سے اس قول کی صورت کے بارے میں سوالات کئے تھے، میں نے اس وقت ان لوگوں کو جواب دیا تھا کہ فقہی اعتبار سے مقالہ نگار کا کلام صحیح اور معتبر ہے اس لئے کہ شریعت کا اصول ہے کہ وہ فرائض وواجبات جن کو فوری طور پر ادا کرنا ضروری ہے ان کو ان فرائض وواجبات پر مقدم کیا جائے جن میں تاخیر کی گنجائش ہے اور فرض حج تاخیر کی گنجائش رکھتا ہے اور حج بعض ائمہ کے نزدیک

واجب علی التراخی ہے اور بوسینائی مسلمانوں کو بھوک مری اور ہلاکت اورامراض کے تعلق سے نیزان کے اجتماعی قتل کئے جانے کے خطرہ سے فجائی طور پر نکالا جانا فوری فریضہ ہے جس میں تاخیر کی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی یہ مسئلہ تراخی اور رخصت کا احتمال رکھتا ہے بلکہ امت پر لازم وواجب ہے کہ بلا تاخیر وتوقف اس فرض کوادا کرے۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ ایام حج میں، حج کے مناسک وشعائر کوادا کرنے کا فریضہ بھی بلانزاع متفق علیہ ہے لیکن یہ فریضہ حرمین شریفین اوراس کے قریبی علاقوں کے باشندوں کے ذریعہ پوری کیا جاسکتا ہے جن کے آمدورفت پر بہت زیادہ خرچ نہیں آئے گا اور اس کے ساتھ ہی میں سمجھتا ہوں کہ استاذ فہمی ہویدی کا مقصد دوسرے طریقے سے بھی پورا ہوسکتا ہے وہ اس طرح کہ جولوگ پہلے سے حج کا فرض ادا کر چکے ہیں وہ ہر سال نفلی حج کے باعث بھیڑ بھاڑ کا سبب بنتے ہیں اور فریضہ حج ادا نہ کرنے والے عازمین کی تعداد پندرہ فیصد (۱۵٪) سے زیادہ نہیں ہوتی، اس طرح دیکھا جائے تو بیس (۲۰) لاکھ حاجیوں میں سے پہلی دفعہ حج کرنے والوں کی تعداد صرف تین لاکھ ہوتی ہے باقی سترہ (۱۷) لاکھ نفلی حج کرنے والے مسلمان ہوتے ہیں کاش کہ تطوعاً نفلی حج کرنے والی اکثریت اسی طرح بار بار عمرہ کرنے والوں کی اکثریت حج وعمرہ سے تنازل اختیار کر کے اس پر آنے والے خرچ کی رقم سے بوسینائی مسلمانوں کی فی سبیل اللہ مدد کرسکتی ہے جو کہ دشمنوں کی چیرہ دستیوں کا شکار ہیں ان کی عصمت وعفت لوٹی جارہی ہے قتل عام جاری ہے، بھوک و پیاس سے برابر موتیں ہورہی ہیں اور نام نہاد ترقی یافتہ مما لک سب کچھ دیکھ اور سن رہے ہیں، مگر زبانیں خاموش ہیں کیونکہ غالب کا سب ساتھ دیتے ہیں اور مغلوب ومظلوم کا کوئی حمایتی نہیں جب کہ بوسینا کے مسلمان مظلوم ہیں مقہور ومجبور ہیں ان کا ساتھ دینا امت اسلامیہ پر فوری طور پر فرض وواجب ہے۔

میں قطر کے بہت سے نیک صالح دیندار مسلمانوں کو پہچانتا ہوں نیز مصر اور دوسرے خلیجی مما لک میں بھی ایسے صالح افراد کو جانتا ہوں جو ہر سال حج کرنے کے بہت زیادہ خواہاں

اوراس کے لئے کوشاں رہتے ہیں اوران میں سے بعض مسلمان تو ایسے ہیں جو چالیس سال سے ہر سال حج کو جاتے ہیں ایسے تقریباً ایک سو مالدار مسلمان ہیں اور ان کے ساتھ دوستوں، قرابت داروں اور ساتھیوں کی ایک جماعت ہوتی ہے۔

میں نے ایک سال ان لوگوں سے انڈونیشیا کے مسلمانوں کی مدد کے بارے میں کہا تھا اس لئے کہ انڈونیشا میں عیسائی مشنریوں کی خطرناک سرگرمیوں کا خود مشاہدہ کیا تھا وہاں کے مسلمانوں کو ایسے تعلیمی ادارے اور طبی و تعلیمی مراکز کی سخت ضرورت تھی جو عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں کا مقابلہ کرسکیں، لہذا میں نے اس سال حج کرنے والے مالداروں سے کہا، آپ لوگوں کا کیا خیال ہے کہ اس سال نفلی حج کا ارادہ ترک کردیں اور اس طرح جو لاکھوں ڈالر کی بچت ہو وہ انڈونیشیا میں مشنریوں کا مقابلہ کرنے میں خرچ کیا جائے اگر سو آدمی میں سے ہر ایک شخص دس ہزار مصری پونڈ دے تو ایک ملین مصری پونڈ جمع ہوجائے گا، اس طرح ایک عظیم الشان منصوبے کی شروعات ہوسکتی ہے، ہوسکتا ہے کہ آئندہ ہماری اس شروعات سے دوسرے مخیر حضرات بھی تعاون کرنے لگیں یہ عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں کے مقابلہ کے لئے بہت بڑا دینی کام ہوگا مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کا مسئلہ ہے۔

میری اس دردمندانہ گزارش کے جواب میں ان حضرات نے کہا: شیخ ہمارا حال یہ ہے کہ جب جب ذی الحجہ کا مہینہ آتا ہے تو حج کی ہم کو ایسی شدید خواہش ہوتی ہے کہ ہم اس کو روک نہیں پاتے ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہماری روحیں دیار حرم کا چکر لگاتی ہیں فکروخیال پر وہاں کا منظر حاوی ہوتا ہے اور جب حجاج کرام کے ساتھ حج کرتے ہیں تو عجیب نعمت ملتی ہے ایک روحانی سعادت کا احساس ہوتا ہے بھلا ہم اس نعمت سے اپنے آپ کو کیسے محروم کرلیں اور حج کو نہ جائیں، یہ وہی بات ہوئی جو گذشتہ زمانہ میں کسی نے شرحائی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا تھا۔

اگر فہم صحیح ہو، ایمان صادق ہو اور مسلمان اولویات وترجیحات کا معنی ومفہوم سمجھتا ہو تو وہ سعادت اکبر اور قوی تر روحانیت کا ادراک واحساس کرسکتا ہے جب کہ وہ نفلی حج کی رقم سے

ایسے اسلامی مرکز قائم کرنے پر قادر ہو جو یتیموں کی کفالت کرے، بھوکوں کو کھانا کھلائے، خانما برباد مہاجرین کو پناہ دے یا مریضوں کا علاج کرے، ناخواندہ لوگوں کی تعلیم کا نظم کرے اور بے روزگاروں کو ملازمت دلائے۔ میں نے ایسے مخلص نوجوانوں کو دیکھا ہے یونیورسٹیوں کے میڈیکل کالج، انجینئرنگ کالج، لا کالج، اسی طرح دوسرے کالجوں میں تعلیم حاصل کرتے تھے وہ نہ صرف کامیاب طالب علموں میں سے تھے بلکہ امتیازی پوزیشن کے حامل تھے لیکن ان سب نے دعوت وتبلیغ اور اسلام کی اشاعت کے لئے اپنے کو وقف کر دیا ان کو اپنی کالجی زندگی چھوڑنے کا ذرہ برابر افسوس نہ تھا ان کا کہنا تھا کہ ہم نے جس موضوع اور فن میں تخصص کیا ہے وہ فرض کفایہ ہے حالانکہ یہ وہ فرض کفایہ ہے جس کو امت اسلامیہ کی ضرورت ہے اس کے چھوڑنے پر پوری امت گنہ گار ہوگی، وہ مخلص نوجوان اپنے پیشہ وفن سے امت کو نفع پہنچا کر عبادت اور جہاد کا ثواب حاصل کر سکتے تھے جب کہ ان کی نیت صحیح ہوتی اور وہ حدود اللہ کی رعایت کی جاتی ان کی نوجوانوں کی طرح ہر مسلمان اپنے پیشہ وحرفت کو ترک کر دے تو مسلمانوں کی ان ضروریات کو کون پورے کرے گا، جب کہ بہترین ڈاکٹر، کاشتکار، انجینئر، سائنس داں، ماہرین فن کی امت کو ضرورت ہے۔ آنحضور ﷺ تشریف لائے اور ان پر ایمان لانے والے حضرات مختلف کام کرتے تھے کوئی تاجر تھا، کوئی کاشتکار تھا، آپ ﷺ نے کسی سے نہیں فرمایا کہ اپنا کام چھوڑ کر خود کو صرف دعوت وتبلیغ کے لئے فارغ کرلو بلکہ سب اپنے اپنے پیشہ اور کام میں لگے رہے اور دین کی دعوت واشاعت کے لئے وقت بھی نکالتے رہے، مکی دور ہو یا ہجرت کے بعد مدنی زندگی ہو، ان حضرات کا حال یہ تھا کہ جب جہاد کا منادی جہاد کے لئے پکارتا تھا تو جس کے پاس جیسے وسائل ہوتے تھے، اسی کو لے کر جہاد کے لئے نکل پڑتا تھا اور اپنی جان ومال سے اللہ کے راستہ میں جہاد کرتا تھا جب واپس آتے تھے سب اپنے اپنے کام میں پہلے کی طرح مشغول ہو جاتے تھے۔

امام غزالیؒ نے اپنے دور کے لوگوں کی اس بات کو ناپسند کیا تھا کہ سب لوگ فقہ

وحدیث کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوتے تھے جبکہ مسلمانوں کے شہروں میں یہودی ونصرانی طبیب کے علاوہ کوئی مسلمان طبیب نہیں ملتا تھا اور مسلمانوں مردوں اور عورتوں کا علاج انہیں طبیبوں سے کرانا پڑتا تھا انھیں غیر مسلم طبیبوں سے مریضوں کے متعلق شرعی احکام پوچھے جاتے تھے کہ مریض یا مریضہ اس بیماری میں روزے رکھے یا افطار کرے، یا زخمی وضو کرے گا یا تیمم کرے گا۔

لایعنی بحث ومناظرہ:

اور میں نے بہت سارے لوگوں کو دیکھا ہے کہ جزوی اور فروعی اختلافی مسائل میں بحث ومناظرہ اور نزاع واختلاف کی معرکہ آرائیاں کرتے ہیں جبکہ کینہ پرور دشمنان اسلام کے خلاف کوئی ایکشن لینے کی ہمت نہیں رکھتے حالانکہ یہ وہ دشمن ہیں جن کو اسلام سے عداوت ہے اور اس کو نیست ونابود کرنے کے خواہاں ہیں، اسلام سے خوف زدہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑے یہاں تک یہ حالت امریکہ، یورپ، کنیڈا وغیرہ میں آباد مسلم اقلیتوں اور کمیونٹیوں کا ہے جو اپنے بڑے دشمن کو بھول کر اس بحث میں الجھے ہوئے ہیں کہ گھڑی دائیں ہاتھ میں پہنی جائے کہ بائیں ہاتھ میں، یا سفید لباس پہننا پینٹ شرٹ کے مقابلے میں سنت ہے یا واجب ہے، اس بحث میں سر کھپا رہے ہیں کہ عورتوں کا نماز کے لئے مساجد میں آنا حلال ہے یا حرام، جائز ہے یا ناجائز ہے ان مسلمانوں کو اس بحث ومناظرہ میں دلچسپی ہے کہ کرسی پر بیٹھ کر ٹیبل پر کھانا اور چھری کانٹے کا استعمال کرنا کیا تشبہ بالکفار میں داخل ہے یا نہیں، ایسے نہ جانے کتنے مسائل ومعاملات ہیں جو مسلمانوں کا قیمتی وقت برباد کررہے ہیں او رجماعتوں میں توڑ پیدا کررہے ہیں اور جہود وجہاد کو ضائع کررہے ہیں، اس لئے کہ یہ بے مقصد کام میں جہد ومشقت کرنا اور بلا دشمنی کے جہاد کرنا ہے۔

والدین کے ساتھ نوجوانوں کا سلوک:

میں نے صوم وصلاۃ کے پابند ایسے نوجوانوں کو بھی دیکھا ہے جو اپنے والدین کے

ساتھ سختی اور بے رحمی کا معاملہ کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں کے ساتھ شدت سے پیش آتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ دین سے منحرف اور اللہ کے نافرمان ہیں، جبکہ شدت پسند یہ نوجوان شاید بھول گئے ہیں کہ اللہ تعالی نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے اگرچہ وہ والدین مشرک ہی کیوں نہ ہوں، اور اپنی مسلمان اولاد سے اللہ کے ساتھ شرک کرنے کا اصرار کرتے ہیں اور ان کو اسلام سے پھیرنے کی بھرپور کوشش میں لگے ہیں پھر بھی اللہ نے ایسے والدین کے ساتھ نرمی ومہربانی کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

"وإن جاهداک علی أن تشرک بی ما لیس لک به علم فلا تطعهما وصاحبهما فی الدنیا معروفاً" (لقمان ۱۵)۔

(اور اگر تمہارے ماں باپ تم سے یہ اصرار کرتے ہیں کہ تم میرے ساتھ ان چیزوں کا شرک کرو جن کو تم نہیں جانتے تو ایسی صورت میں ان کی اطاعت مت کرو مگر دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرتے رہو)۔

اس لئے کہ بہرحال والدین مومن ہوں یا مشرک ان کا حق ہے جس پر صرف اللہ کا حق ہی غالب آسکتا ہے اور وحدانیت والوہیت اللہ کا وہ حق ہے جو ہر حال میں تمام حقوق پر غالب رہے گا لیکن حق اللہ کے غلبہ کے ساتھ والدین کا حق شکر وحق خدمت بھی بجالانا ضروری ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"أن اشکر لی ولوالدیک إلی لمصیر" (سورہ لقمان ۱۴)۔

(میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی شکر ادا کرو اور میرے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے)۔

بہرکیف شرک کے معاملہ میں والدین کی اطاعت کرنا تو یہ نہیں کی جائے گی کیونکہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق کا قطعی ضابطہ ہے ہاں ان کے ساتھ بھلائی، خیرخواہی اور مہربانی تو اس سے چھٹکارا بھی نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے ذی رحم رشتہ داری، قرابت داروں کے ساتھ

حسن معاملہ کرنے کی تاکید فرمائی ہے، ارشاد خداوندی ہے:

"واتقوا الله الذی تساء لون به والأرحام إن الله کان علیکم رقیباً" (سورہ نساء:۱)۔

(اور اللہ سے ڈرو جس کے ذریعہ ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور ذوی رحم قرابت داروں کے سلسلہ میں بھی بے شک اللہ تمہارے حال کا نگراں ہے)۔

عہد زوال کی خرابیاں:

اپنے زوال وانحطاط کے عہو دوازمنہ میں مسلمان جن خرابیوں میں پڑے تھے وہ ہنوز آج بھی پائی جارہی ہیں جن میں چند یہ ہیں:

۱۔تمام امت مسلمہ کے مفاد سے متعلق، فروض کفایہ کی ادائیگی میں مسلمانوں سے بڑی حد تک بے توجہی اور غفلت ہوئی ہے جیسے صنعت وحرفت اور حربی وعلمی میدان میں ایسا تفوق وامتیاز نہیں پیدا کیا جو حقیقی معنوں میں پوری امت کو اپنے امور ومعاملات میں خود مختار وخود کفیل بنا سکے۔

اسی طرح قرآن وسنت سے احکام ومسائل کے استنباط اور فقہی امور میں اجتہاد کی صلاحیت نہیں پیدا کی، نہ ہی اسلام کی طرف دعوت دینے اور اسلام کے پیغام کو دوسری قوموں تک پہنچانے کی بھر پور کوشش کی گئی اسی طرح آزادانہ اختیار اور بیعت پر قائم شورائی نظام مقرر کیا نیز اسلام سے منحرف ظالم حکمراں کا مقابلہ کرنے میں اجتماعی جذبہ کیا۔

۲۔مسلمانوں نے بہت سے فرض عین سے غفلت برتی اور اس کی قدرو قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جیسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ جس کو قرآن نے جامع ایمان کے ذکر کے باب میں نماز اور زکوۃ پر اس کو مقدم کیا ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون

عن المنكر ويقيمون الصلاة ويؤتون الزكاة‘‘(سورۃ توبہ ۷۱:)۔

(اور مسلمان مرد ومسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، یہ سب بھلائی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں)۔

قرآن کریم نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو امت محمدیہ کی خیریت کا سبب بتایا ہے۔

’’کنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله‘‘(سورہ آل عمران ۱۱۰:)۔

(تم خیر امت ہو جو لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے تم بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)۔

یہ وہ فریضہ ہے جس کو چھوڑنے اور غفلت برتنے کے باعث بنی اسرائیل پر انبیاء علیہم السلام کی زبانی لعنت بھیجنے کا موجب بتایا۔

’’لعن الذين كفروا من بني إسرائيل على لسان داؤد وعيسى بن مريم ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون، كانوا لا يتناهون عن منكر فعلوه بئس ما كانوا يفعلون‘‘ (سورہ مائدہ ۷۸:-۷۹)۔

(لعنت کئے گئے بنی اسرائیل، وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا داؤد اور عیسی بن مریم کی زبان سے اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے ان منکرات سے منع نہیں کرتے تھے جس کو وہ کرتے تھے نہایت ہی برا کام کرتے تھے)۔

۳- اور بعض ارکان کا اہتمام دوسرے ارکان کے مقابلہ میں زیادہ کرتے ہیں، حالانکہ اہمیت میں یکساں ہیں جیسے روزہ رکھنے کا اہتمام، نماز پڑھنے کے مقابلہ میں زیادہ کرتے ہیں، آپ رمضان کے مہینہ میں شاید ہی کسی مسلمان مرد اور عورت کو بے روزہ پائیں اور جو روزہ نہیں رکھتے وہ بھی کھلے عام نہیں کھاتے خاص کر گاؤں اور قصبات میں سبھی روزہ ضرور رکھتے ہیں

جبکہ نماز میں کھلے عام کوتاہیاں ہوتی ہیں بلکہ روزہ رکھ کر بھی نماز چھوڑتے ہیں، بوڑھے ہو گئے ہیں لیکن اللہ کے سامنے رکوع اور سجدہ کی توفیق نہیں ہوتی۔

ایسے ہی بہت سے پابند صوم وصلاۃ مسلمان زکوۃ ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں حالانکہ زکوۃ کی اہمیت کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالی نے اٹھائیس (۲۸) مقامات پر قرآن مجید میں نماز اور زکوۃ کا ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم کو نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے کا حکم دیا گیا اور جس نے (فرض ہونے کے باوجود) زکوۃ نہیں دی تو اس کی نماز بھی قبول نہیں ہوگی (رواہ الطبرانی فی الکبیر)۔

اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد فرمایا تھا کہ جو شخص نماز اور زکوۃ میں فرق کرے گا تو میں اس سے ضرور جنگ کروں گا اور تمام صحابہ کرام کا زکوۃ ادا کرنے سے انکار کرنے والوں سے قتال پر اجماع ہے (متفق علیہ)، جس طرح مدعیان نبوت اور ان کی اتباع کرنے والے مرتدین سے قتال واجب ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے، خلافت راشدہ، تاریخ کی پہلی اسلامی حکومت ہے جس نے فقراء کے حقوق کے لئے قتال کیا (کیونکہ زکوۃ فقراء ومساکین کا حق ہے، **إنما الصدقات للفقراء۔۔۔**)۔

۴ــ اور بعض نوافل کا اہتمام، فرائض وواجبات سے زیادہ کرتے ہیں، جیسا کہ اکثر متدین مسلمانوں کو دیکھا جاتا ہے کہ اذکار وتسبیحات اور اوراد کا اتنا اہتمام کرتے ہیں کہ بہت سے فرائض کا اتنا اہتمام نہیں کرتے خاص کر اجتماعی زندگی سے متعلق فرائض جیسے والدین کی فرمانبرداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن معاملہ اور ضعیفوں کے ساتھ رحمت ورأفت، یتیموں ومسکینوں کی اعانت ورعایت اور منکرات کی نکیر اور اجتماعی اور سیاسی ظلم کی مخالفت اور اس کا مقابلہ۔

۵ــ اور انفرادی عبادت جیسے نماز اور ذکر بہت کرتے ہیں جبکہ اجتماعی عبادات جن کا نفع متعدی ہوتا ہے جیسے جہاد، فقہ میں مہارت تامہ، مسلمانوں کے درمیان میل ملاپ رکھنا اور

جھگڑوں میں صلح کرانا، نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرنا اور مصیبت کے وقت باہم صبر اور رحمت کی تاکید کرنا، عدل وانصاف کی طرف لوگوں کو بلانا اور عام طور پر تمام انسانوں کے حقوق کی رعایت کرنا خاص کر کمزور آدمی کے حقوق کی رعایت کرنا۔

۶ – اور اکثر لوگ فروعی اور جزیاتی اعمال کا حد درجہ اہتمام کرتے ہیں جبکہ اصول کی کوئی فکر نہیں ہوتی ہے جبکہ علماء متقدمین نے کہا ہے :''من ضيع الأصول حرم الوصول'' (جس نے اصول کو ضائع کیا وہ حصول مقصد سے محروم رہا)، اور تمام عبادات ومعاملات کی بنیادوں جیسے عقیدہ کی درستگی، ایمان کی پختگی اور توحید خالص اور اخلاص نیت کے سلسلہ میں غفلت برتتے ہیں۔

۷ – اور اضطراب وخلل پیدا ہونے کے اسباب میں سے یہ چیز بھی اہم ہیں جیسے اکثر لوگ مکروہات اور شبہادت کی مخالفت میں حد درجہ غلو کرتے ہیں جبکہ معاشرہ میں پھیلی محرمات ومنہیات کی مخالفت اس شدت سے نہیں کرتے، مثال کے طور پر ایسی چیز جس کی حلت وحرمت میں اختلاف ہے اس میں خوب بحث ومباحثہ ہوتا ہے بمقابلہ اس رائج چیز کے جس کی حرمت قطعی ہے اور ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جن کو اختلافی مسائل چھیڑنے میں بہت زیادہ دلچسپی ہے گویا کہ ان کا شوق یہی ہے کہ ہر دم ماحول گرم رہے مسلکی جھگڑے ہوتے رہیں جبکہ ایسے لوگوں کو امت کے وجود وعدم وجود سے متعلق حساس وخطرناک مسائل سے کوئی مطلب نہیں، پس اپنے گردوپیش میں مسلمان مسلک کے نام پر لڑتے جھگڑتے رہیں اور ان جیسے افراد کی روزی روٹی کا سلسلہ قائم رہے اور انہیں خلافیات وتنازعات کو فروغ دینے والی چیزوں میں یہ بھی ہے کہ ہلاکت میں ڈالنے والے کبائر گناہ کو ختم کرنے کی تو کوئی فکر نہیں مگر صغائر گناہ کی مخالفت میں سرگرم رہتے ہیں، جبکہ کبائر ایسے خطرناک ہیں کہ پورے دین کو ہی ہلاک کر ڈالیں جیسے کہ جادو، کہانت، قبر پرستی، مردوں کے نام نذر وقربانی، بزرگوں کی قبروں کو سجدہ کرنا، ان سے مرادیں مانگنا ان سے ضرورتوں کو پورا کرنے کا مطالبہ کرنا، مصائب کو دور کرنے کی

درخواست کرنا جیسے بہت سے کبیرہ گناہ معاشرہ میں عام ہیں جو عقیدہ توحید کے شفاف حوض کو گدلا کررہے ہیں ان سب کو ختم کرنے کی فکر نہیں اور چھوٹے چھوٹے گناہوں کے بڑے بڑے پروگرام کئے جاتے ہیں۔

اور اسی طرح اجتماعی اور سیاسی طور پر ہلاک و برباد کرنے والے اعمال کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی جیسے کہ شورائیت ختم ہوگئی، اجتماعی عدالت باقی نہ رہی اور جیسے آزادی کا ختم ہونا، عام رعایا کے حقوق، انسان کی عزت وشرافت کی بردباری اور نااہل کو منصب سے نوازنا، انتخابات میں دھاندلی، قوم کے سرمایہ کی لوٹ کھسوٹ، خاندانی وطبقاتی امتیازات کو تسلیم کرنا، معاشرہ میں فضول خرچی، اسراف، رشوت، گھپلہ ، وعدہ خلافی، بدعہدی، حقوق کی پامالی جیسے کتنے اعمال ہیں جو بہت بڑے خلل واضطراب میں اور امت مسلمہ ان سب میں ترجیحات کا معیار مقرر کرنے پر قادر نہیں نتیجہ یہ ہے جو بڑا ہے اس کو چھوٹا بناتی ہے اور جو چھوٹا ہے اس کو بڑا بناتی ہے اور جو معمولی چیز ہے اس کو عظیم تر اور جو عظیم ہے اس کو حقیر تر بنادیتی ہے، جس کا حق ہے وہ اول ہے اس کو موخر کردیا اور فرض کو چھوڑا۔ نفل کی دلدادہ ہوئی، صغائر گناہ کو بہت بڑا بنادیا اور جو بڑے گناہ ہیں ان کو معمولی حیثیت دیدی، مختلف فیہ مسائل میں معرکہ آرائی کرتی ہے اور متفق علیہ امور کے برباد کئے جانے پر خاموش رہتی ہے، یہ تمام چیز آج امت کو اس مقام پر پہنچا چکی ہے کہ وہ ترجیحی احکام کی سمجھ پیدا کرے تا کہ صحیح کو صحیح کہہ سکے اولویت کو جان سکے کہ کس چیز کا درجہ کیا کس کو مقدم کرنا ہے کس کو موخر کرنا ہے، اولویت سے امت کے ذہن میں کشادگی، فہم میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

دوسری فصل: ماموارت کے میدان میں ترجیحات

فروع پر اصول کی اولویت:

شرعی ماموارت کے میدان میں سب سے زیادہ جس چیز کا اہتمام والتزام ضروری ہے وہ فروع پر اصول کی اولویت اور ترجیح ہے اور اصول کی تقدیم سے ہماری مراد امور کو مقدم رکھنا ہے جن کا تعلق اللہ تعالی کی الوہیت، وحدانیت پر ایمان لانے اور اس کے فرشتوں، رسولوں اور نازل کردہ کتابوں اور آخرت کے دن پر ایمان لانے سے متعلق ہیں اور یہی ایمان کے ارکان ہیں جیسا کہ قرآن کریم نے بیان کیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

"ليس البر أن تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب ولكن البر من آمن بالله واليوم الآخر والملائكة والكتاب والنبيين" (سورہ بقرہ ۱۷۷:)۔

(نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق ومغرب کی جانب پھیرلو، بلکہ نیک کام اس نے کیا جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں اور رسولوں ونبیوں پر ایمان لایا)۔

اور اللہ نے مزید فرمایا:

"آمن الرسول بما أنزل إليه من ربه والمؤمنون كل آمن بالله وملائكته وكتبه ورسله لا نفرق بين أحد من رسله وقالوا سمعنا وأطعنا غفرانک ربنا وإليک المصير" (البقرہ ۲۸۵:)۔

(رسول ایمان لائے ان سب پر جو ان پر نازل کیا گیا ان کے رب کی طرف سے اور مومنین بھی ایمان لائے ہر ایک نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں کو اور

سب نے کہا کہ ہم رسولوں کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہیں کرتے اور کہا ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اے ہمارے رب، ہم تیری مغفرت کے طالب ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے)۔

اور اللہ تعالی نے فرمایا:

"ومن یکفر باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر فقد ضل ضلالاً بعیداً "(النساء ۱۳۶:)۔

(اور جو بھی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں ورسولوں اور آخرت کے دن کا انکار کرے گا وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا)۔

ان تمام آیات میں اصول عقیدہ کے ضمن میں ایمان بالقدر کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ قضاء وقدر پر ایمان لانا، ایمان باللہ کے مضمون میں داخل ہے اسی طرح کی ایمان بالقدر، کمال الٰہی تمام تقاضوں اور اس کے علم وارادہ کے عموم وشمول اور اس کی قدرت کے کامل نفوذ پر ایمان لانے کا نام ہے اور عقیدہ اصل ہے جبکہ تشریع وقانون سازی اس کی فرع ہے اور ایسے ایمان ہی اصل ہے جب کہ عمل کی فرع ہے اور ہم ایمان کے ساتھ عمل کے تعلق سے متعلق متکلمین کے جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہتے کہ عمل ایمان کا جزو ہے، اس کا ثمرہ ہے یا وہ ایمان کے ثبوت کے لئے شرط ہے یا کمال ایمان کی دلیل ہے۔ اور خالص حقیقی ایمان کا ثمرہ عمل کی شکل میں ظاہر ہوگا جس قدر ایمان دل میں راسخ وثابت ہوگا اسی اعتبار سے ماموررات پر کاربند ہونے یا اجتناب کے سلسلہ میں اعمال صادر ہوں گے۔ اور رہا وہ علم جس کی اساس صحیح ایمان پر نہیں، اللہ کے نزدیک اس کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہوتی جیسا کہ قرآن کریم منظر کشی کرتا ہے:

"کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماءاً حتی إذا جاءہ لم یجدہ شیئاً ووجد اللہ عندہ فوفّاہ حسابہ واللہ سریع الحساب"(النور ۳۹:)۔

(جیسا کہ صحراء کا سراب جس کو پیاسا آدمی پانی گمان کرتا ہے مگر جب وہاں جاتا ہے تو

کچھ نہیں پاتا اور اللہ کو اس کے پاس پاتا ہے جو اس کو پورا پورا حساب دیتا ہے اور اللہ بہت جلد حساب لینے والے ہیں)۔

لہذا سب سے اہم اور ضروری کام عقیدہ کی تصحیح اور توحید باری کو ہر آمیزش سے پاک کرنا اور شرک وخرافات اور بدعات کو مکمل طور پر ختم کرتا ہے اور دلوں میں ایمان کی جڑوں کو گہرا اور مضبوط بنانا ہے یہاں تک کہ کلمہ توحید ''لا اِلٰہ اِلا اللہ'' نفس وطبیعت میں ایک حقیقت اور زندگی میں ایک ایسا نور بن جائے گا جو فکر وخیال اور اخلاق وکردار کی تاریکیوں کو پوری طرح ختم کرڈالے، علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں :

''جان لو کہ لا اِلٰہ اِلا اللہ کی شعاعیں اپنی قوت وطاقت کے اعتبار سے گناہوں کی گھٹاؤں کو ختم کردیتی ہے، لا اِلٰہ اِلا اللہ کا نور، اہل ایمان کی حیثیت واہلیت کے اعتبار سے قوت میں کم وبیش ہوتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی احاطہ واحصار نہیں کرسکتا، (۱) لہذا اہل ایمان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں کلمہ شہادت لا اِلٰہ اِلا اللہ کا نور ان کے دلوں میں آفتاب کی طرح چمکتا دمکتا ہے، (۲) اور ان میں سے ایسے افراد بھی ہوتے ہیں کہ ان کے دلوں میں نور ایمان، روشن ستاروں کی طرح ہوتا ہے، (۳) اور ان میں سے بعض کے قلوب میں نور ایمان کی بڑی مشعل کے مانند فروزاں ہوتا ہے، (۴) اور کسی کے کسی دل میں یہ نور روشن چراغ کے مثل ہوتا ہے اور کسی کے دل میں معمولی چراغ جیسا لہذا قیامت کے دن، ان کے انوار ظاہر ہوں گے، ان کے سامنے اور دائیں جانب اسی نسبت سے جیسا کہ ان کے دلوں میں اس مبارک کلمہ کا نور علم وعمل اور حال ومعرفت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

اور جب جب اس پاکیزہ کلمہ کا نور بڑا اور شدید ہوگا، پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کو ختم کردے گا اپنی قوت وشدت کے اعتبار سے، یہاں تک کہ یہ نور اس درجہ قوی ہوجاتا ہے کہ پھر اس کے ساتھ کسی قسم کا دل میں شبہہ نہیں آتا اور نہ شہوت وگناہ کا تصور آتا ہے اور ایمان وتوحید میں خالص اور سچے انسان کا یہی حال ہوتا ہے جس نے کبھی اللہ کے ساتھ کسی غیر کو شریک

نہیں ٹھہرایا۔

اور جس نے اس راز کو جان لیا اس نے یقینی طور پر رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا حقیقی مفہوم سمجھ لیا جیسا کہ ارشاد فرمایا :

"أن حرم النار علی من قال :"لا إله إلا الله" یبتغی بذلک وجه الله" (کہ اللہ نے اس شخص پر آگ کو حرام کردیا جس نے صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے کلمہ توحید لا إلہ إلا اللہ کی گواہی دی)۔

اور جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: دوزخ میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا جس نے لا إلہ إلا اللہ کہا اور اس قسم کی بہت سی مثالیں احادیث شریفہ میں آئی ہیں جس نے اکثر لوگوں کے لئے اس کے مفہوم کی تعیین پیدا کر دیں یہاں تک کہ بعض نے ان کو منسوخ قرار دیدیا اور بعض حضرات نے یہ گمان کیا کہ اس قسم کی احادیث اوامر ونواہی کے وارد ہونے اور شریعت اسلامیہ کے استقرار واستحکام سے پہلے کے زمانہ کی ہیں جب کہ بعض حضرات نے اس قسم کی احادیث کو کفار ومشرکین کی آگ پر محمول کردیا اور بعض نے یہ تاویل کی کہ صرف لا إلہ إلا اللہ کہنے والا اپنے گناہوں کے سبب دوزخ میں داخل تو کیا جائے مگر ہمیشہ ہمیش جہنم میں نہیں رہے گا بلکہ اس کلمہ کی برکت سے وہ ضرور نجات پائے گا۔ اس جیسی بہت ساری توجیہات وتاویلات کی گئی ہیں جو بہر صورت قابل قبول نہیں۔

حالانکہ شارع علیہ السلام نے محض زبان سے کہے جانے والے کلمہ کے بارے میں یہ بات نہیں کہی ہے کیونکہ یہ دین اسلام کے سلسلہ میں اضطرار معلوم کے خلاف ہے لہذا ضروری ہے کہ اس کلمہ کے بارے میں یقین کیا جائے جو دل وزبان سے تعلق رکھتا ہے اور دل کا قول متضمن ہے کلمہ توحید کی معرفت اور اس کی تصدیق پر نیز نفی واثبات کی حقیقت کی معرفت اور اس الوہیت کی معرفت پر متضمن ہے جو ماسوی اللہ کی نفی کرتی ہے اور صرف اللہ تعالی کے لئے خاص ہے غیر اللہ کے لئے اس الوہیت کا ثبوت ناممکن اور محال ہے اور علم ومعرفت، اور تعین

وحال کے اعتبار سے تصدیق قلبی کے معنی کا پایا جانا بہرصورت کلمہ توحید کا اقرار کرنے والے پر آگ کو حرام کرتا ہے۔

ہاں جس شخص نے اس کلمہ کے حقیقی معنی سے غافل رہ کر صرف زبان سے اس کو ادا کیا اور اس کے معنی میں غور وتدبر نہیں کیا اور نہ ہی اس دل اس کی زبان کی موافقت کرتا ہے اور نہ اس کی قیمت وحقیقت کو پہچانا اس کے ساتھ ساتھ وہ ثواب کی امید بھی کرتا ہے تو اس کے دل میں جس قدر ایمان ہوگا اس لحاظ سے اس کی خطاؤں کو محو کر دیا جائے گا اس لئے کہ اعمال اپنی صورت وعدد کے اعتبار سے نہیں بڑھتے بلکہ ایمان قلبی کے تفاضل کے اعتبار سے ان میں کمی بیشی پیدا ہوتی ہے، لہذا شکل وصورت دو عمل بالکل ایک جیسے ہوتے ہیں جب کہ تفاضل میں دونوں کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے اور اسی طرح دو آدمیوں کا قیام صف میں ایک جیسا ہوتا ہے اور دونوں کی نماز میں ایک طرح کی ہوتی ہے مگر کیفیت کے اعتبار سے دونوں میں زمین وآسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔

سنن ونوافل پر فرائض کی اولویت:

فروع کے باب میں یہ بات معلوم ہے کہ شریعت کی جانب سے مطالبہ کے اعتبار سے اعمال بہت زیادہ متفاوت ہوتے ہیں لہذا ان اعمال مطلوبہ میں سے:

۱۔ بعض مامور مستحب اور مندوب ہوتے ہیں۔

۲۔ بعض مامور بہ فرض کا درجہ رکھتے ہیں۔

۳۔ بعض مامور بہ مستحب سے بلند اور فرض سے کم درجہ کے ہوتے ہیں جن کو حضرات فقہاء واجب کا نام دیتے ہیں۔

۴۔ اور بعض واجب مفروض ہوتے ہیں جن کو مفروض علی الکفایہ کہا جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اگر اس کو ایک فرد یا چند لوگ ادا کرلیں تو باقی لوگوں پر گناہ ترک لازم نہیں آئے گا۔

۵– اور واجب مفروض میں سے بعض فرض عین ہے بایں معنی کہ اس کے شرائط کو پورا کرنے والا ہر مکلف فرد اس کے خطاب میں شامل ہے اور بذات خود فرض عین میں بھی تفاوت ہے، ان میں سے بعض فروض وہ ہیں جن کو ہم فرائض رکنیہ کہتے ہیں جن کو ارکان اسلام سے شمار کیا جاتا ہے جیسے چاروں عبادتی شعائر، نماز، زکوۃ، روزہ اور حج، اور فرائض میں سے بعض وہ بھی ہیں جو مذکورہ شعائر جیسے نہیں ہیں، اور حدیث رسول ﷺ: "**إن الله فرض فرائض فلا تضيعوها**" کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن رجبؒ فرماتے ہیں کہ حضرات علماء کرام کا اس امت میں اختلاف ہے کہ کیا واجب اور فرض دونوں ایک معنی میں ہیں یا نہیں، لہذا ان میں سے بعض حضرات کہتے ہیں دونوں ایک ہیں، اور ہر واجب، کتاب وسنت اور اجماع اور شریعت کے دوسرے دلائل (قیاس) کے تحت شرعی دلیل سے اگر ثابت ہے تو وہ فرض ہے اور امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے اصحاب سے یہی مشہور قول ہے اور امام احمد بن حنبلؒ سے ایک روایت منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا جو کچھ نماز میں ہے وہ فرض ہے اور انہیں علماء کرام میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو فرماتے ہیں کہ فرض اس کو کہیں گے جو دلیل قطعی سے ثابت ہے اور واجب وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت نہیں اور یہ امام ابوحنیفہؒ و دیگر کا قول ہے۔

اور امام احمد بن حنبلؒ کے اکثر نصوص، فرض و واجب کے مابین فرق کرتے ہیں، لہذا ان کے اصحاب کی ایک جماعت نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ فرض اس کو کہا جائے گا جو اللہ تعالی کی کتاب میں ہے لہذا صدقہ فطر کے بارے میں فرمایا کہ میں صدقہ فطر کو فرض کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا ہاں واجب کہوں گا لہذا ہمارے اصحاب میں سے وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ امام احمد کی مراد یہ ہے کہ جو کتاب اللہ سے ثابت ہے وہ فرض ہے اور جو سنت سے ثابت ہے وہ واجب ہے اور بعض علماء نے کہا کہ جو استفاضہ اور نقل متواتر سے ثابت ہے وہ فرض ہے اور جو اجتہاد سے ثابت ہے اور اس میں اختلاف کی گنجائش نکلتی ہے تو وہ واجب ہے (بحوالہ جامع العلوم والحکم لابن رجب ۲ / ۱۵۳)۔

سنن ومستحبات میں تساہل:

اور ترجیحی احکام ومسائل اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ جو امر واجب (زیادہ واجب) ہے اس کو واجب پر مقدم کیا جائے اور واجب کو مستحب پر مقدم کا جائے۔

اور سنن ومستحبات میں تو کسی حد تک تساہلی وسستی ممکن ہے جو کہ فرائض وواجبات میں گوارہ نہیں ہے اور یہ کہ دوسرے فرائض کے مقابلہ میں بنیادی فرائض زیادہ اہتمام کریں خاص طور پر نماز، روزہ وزکوۃ دونوں ایسے اساسی فرائض ہیں جن کو قرآن کریم اٹھائیس (۲۸) مقام پر ایک ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے اور اس کے سلسلہ میں متعدد احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں انہیں احادیث میں سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی حدیث ہے:

"أن رسول الله ﷺ قال: بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا اله وأن محمداً عبده ورسوله، وإقام الصلاة وإيتاء الزكاة، وحج البيت، وصوم رمضان" (متفق علیہ)۔

(بے شک اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، (۲) نماز قائم کرنا، (۳) زکوۃ دینا، (۴) بیت اللہ کا حج کرنا، (۵) اور رمضان کا روزہ رکھنا)۔

اور حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نجد والوں میں ایک آدمی آیا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ دھیمی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا جو ہم کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب آ گیا تب ہم سنا کہ وہ اسلام کے بارے میں سوال کر رہا تھا۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: رات اور دن میں کل پانچ نمازیں فرض ہیں، سائل نے پوچھا ان کے علاوہ کچھ؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تم

نوافل پڑھو، آپ ﷺ نے اس کو بتایا کہ رمضان کے مہینہ کا روزہ تم پر فرض ہے، سائل نے پوچھا: ان کے علاوہ کچھ؟ آپ ﷺ نے جواب دیا نہیں، مگر یہ کہ تم سال میں کبھی بھی نفلی روزے رکھو اور اس کے سوال کے جواب میں فرمایا تم زکوۃ ادا کرو، اس نے پوچھا مزید کچھ؟ فرمایا: نہیں مگر یہ کہ تم نفلی صدقات وخیرات کرتے رہو یہ باتیں سن کر اس نے واپس جاتے ہوئے کہا اللہ کی قسم میں نہ اس حکم میں زیادتی کروں گا اور نہ کمی کروں گا۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا اگر وہ اپنے عہد میں سچا ثابت ہوا تو کامیاب ہوا (متفق علیہ)۔

اور حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل ؓ کو یمن بھیجتے وقت فرمایا کہ تم اہل یمن کو کلمہ شہادت **أن لا إله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله** کی دعوت دینا، جب وہ تمہاری دعوت قبول کرلیں تو ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر رات ودن میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں، وہ لوگ جب اس حکم کو مان لیں تو پھر ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان فقراء پر خرچ کی جائے گی (متفق علیہ)۔

اور حضرت ابن عمر ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكوة فإذا فعلوا ذلك عصموا مني دمائهم وأموالهم وحسابهم على الله**" (متفق علیہ) (یعنی کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں، جب ایسا کریں گے تو ان کی جان ومال مجھ سے محفوظ تو رہے گا اور ان کا حساب اللہ پر ہوگا)۔

حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ وفات فرماگئے اور ابوبکر صدیق ؓ خلیفہ ہوئے تو اس وقت عربوں میں سے ایک بڑی تعداد نے کفر وارتداد اختیار کرلیا اس پر ابوبکر صدیق نے مرتدین سے قتال کا فیصلہ کیا حضرت عمر بن خطاب ؓ نے ان سے کہا ہم

ان سے کیسے قتال کریں گے جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے مجھے لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ لا اِلٰہ اِلا اللہ کہیں، لہذا جو بھی یہ کلمہ کہے اس کا مال وجان مجھ سے محفوظ ہو گیا مگر یہ کہ اللہ کے حق میں قتل کیا جائے (جیسے قصاص وغیرہ)۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: بخدا میں ہر اس شخص سے جنگ کروں گا جس نے نماز اور زکوۃ میں فرق کیا، بے شک زکوۃ مال کا حق ہے اللہ کی قسم اگر مانعین زکوۃ نے اونٹ کو باندھنے والی اس رسی کو دینے سے انکار کیا جو رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ادا کرتے تھے تو اس کے روکنے پر بھی ان سے قتال کروں گا۔ عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم صدیق اکبر اپنے قول پر ثابت قدم رہے یہاں تک کہ میں نے یقین کرلیا کہ مانعین زکوۃ سے قتال کرنے کے لئے اللہ نے ابوبکر صدیق کو شرح صدر سے نوازا ہے اور میں نے ان کے حق پر ہونے کا یقین کرلیا (متفق علیہ)۔

اور حضرت ابوایوب انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا مجھ کو کوئی عمل بتا دیجئے جو مجھ کو جنت میں داخل کرنے کا سبب ہو آنحضور ﷺ نے فرمایا: ”**تعبد اللہ لا تشرک بہ شیئاً وتقیم الصلاۃ وتؤتی الزکوۃ وتصل الرحم**“ (متفق علیہ) (تم اللہ کی ایسی عبادت کرو کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور صلہ رحمی کرو)۔

اور حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک دیہاتی آیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے ایسا عمل تعلیم فرمائیں کہ جب میں اس کو کروں تو جنت میں جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ کی عبادت ایسے کرو کہ کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو، اور فرض نمازوں کو قائم کرو اور فرض زکوۃ ادا کرو اور رمضان کا روزہ رکھو، اس دیہاتی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، نہ میں اس فرمان میں کوئی اضافہ کروں گا اور نہ ہی کوئی کمی کروں گا (جتنا آپ نے بتایا کروں گا) جب وہ رخ پھیر

کر جانے لگا تو آپ ﷺ نے حاضر مجلس صحابہ سے فرمایا جو کسی جنتی آدمی کو دیکھنا چاہتا ہے وہ اس شخص کو دیکھ لے (متفق علیہ)۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ یہ حدیث اور اس سے قبل طلحہ بن عبد اللہؓ کی روایت کردہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ فرائض دین کے لئے عملی بنیاد ہیں اور جو بھی ان کو کامل طور پر ادا کرے گا ان میں کسی طرح کی کمی بیشی نہیں کرے گا اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا اگر چہ ان کے فرائض کے علاوہ دیگر سنن میں اس سے کوتاہی ہی کیوں نہ سرزد ہوئی ہے۔

تعلیم وتربیت میں نبوی اسلوب یہ تھا کہ آپ ﷺ ارکان اور اساسیات پر جماتے تھے نہ کہ وہ جزئیات وتفصیلات جو بہت زیادہ ہیں۔

فرائض چھوڑ کر سنتوں میں انہماک کی غلطی:

فرائض سے کوتاہی کرتے ہوئے سنتوں اور نفلی روزوں اور حجوں ونمازوں میں مشغول ہونا بھی غلطی ہے۔ہم دینی مزاج رکھنے والوں کو دیکھتے ہیں کہ راتوں کو جاگ کر عبادت کرتے ہیں پھر اپنے اس کام پر جاتے ہیں جس کی اجرت پاتے ہیں اور ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ تھکے ماندے سست رہتے ہیں اپنے فرائض کو کما حقہ انجام نہیں دیتے۔کاش کہ وہ جانتے مفوضہ ذمہ داریوں کو اچھی طرح پورا کرنا فرض ہے، "إن اللہ کتب الإحسان علی کل شئ" (اللہ نے ہر کام اور ہر چیز میں احسان کو لازم قرار دیاہ)، اور اس میں کوتاہی کرنا امانت میں خیانت ہے، اور مہینہ کے آخر میں پوری تنخواہ لینا باطل طریقہ سے مال کھانا ہے، کیونکہ قیام لیل کو اگر چہ اس نے لازم کیا ہے مگر وہ حقیقت میں سنت ونفل ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کو ضروری نہیں فرمایا ہے جب دیانت وامانت سے باتنخواہ عمل کو پورا کرنا فرض ہے۔

مثال کے طور پر ایک شخص دوشنبہ اور جمعرات کے دن روزہ رکھتا ہے اور روزہ کی

وجہ سے بالکل مضمحل اور پژمردہ ہوجاتا ہے خاص کر گرمی کے دنوں میں پھر اپنے کام پر تھکا ہارا پہنچتا ہے اور اپنے روزہ کی وجہ سے بہت سے لوگوں کے ضروری کام کو مؤخر کر دیتا ہے جبکہ جو روزہ اس نے رکھا ہے وہ نفل ہے اور لوگوں کے مسائل کو حل کرنا اور ضرورتوں کو پورا کرنا اس پر واجب اور لازم ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اس عورت کو نفلی روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے جس کا شوہر گھر پر موجود ہے مگر یہ کہ شوہر سے اجازت لے کر روزہ رکھے، کیونکہ نفلی روزہ کے مقابلہ میں شوہر کا بیوی پر زیادہ حق ہے، اس کو کسی وقت بھی قربت کی ضرورت پڑسکتی ہے جب اس کی اجازت مل گئی تو پھر روزہ رکھنے سے کوئی چیز مانع نہیں۔

اسی طرح نفلی حج اور نفلی عمرہ کا معاملہ ہے کتنے دیندار نیک لوگ پانچ، دس، بیس، یہاں تک کہ چالیس نفلی حج کرتے ہیں، ہر سال رمضان میں عمرہ کو جاتے ہیں، اس طرح ہزاروں، لاکھوں روپے خرچ کر دیتے ہیں، جبکہ ان کے اپنے علاقہ میں یا دوسری جگہوں پر کتنے مسلمان غربت اور قحط کے سبب موت سے ہمکنار ہوجاتے ہیں۔ صومالیہ وغیرہ اس کی زندہ مثال ہیں اسی طرح کتنے ملکوں میں اجتماعی طور پر موت کے گھاٹ اتار دیئے جاتے ہیں اور کتنی جگہوں پر ان کو جبراً ہجرت کرنا پڑتی ہے غربت وافلاس کا شکار ہوکر دانے دانے کو محتاج ہوجاتے ہیں، افغانستان، شام، عراق وغیرہ اس کی تازہ مثال ہیں۔ یہ مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کی جانب سے نصرت واعانت کے زیادہ محتاج ہیں تاکہ بھوکوں کو کھانا کھلاسکیں، ننگوں کو کپڑا پہناسکیں اور مریضوں کو دوا علاج ہوسکے، یتیموں کی کفالت اور بوڑھوں، ضعیفوں، بیواؤں اور مجبوروں کی مالی مدد کی جاسکے یا ظالموں، فتنہ انگیزوں سے اپنا دفاع کرنے کے لئے وہ ہتھیار وغیرہ خرید سکیں۔

اور اسی طرح بہت سی جگہوں پر مسلمانوں کو عیسائی مشنریوں کا سامنا ہے غربت وجہالت کے سبب نئی اسلامی نسل کے عقائد وایمان پر خطرات کے سایے پڑ رہے ہیں، دینی تعلیم کے لئے نہ ان کے پاس مدرسے ہیں، نہ نماز پڑھنے کے لئے مسجدیں ہیں اور نہ ہی رفاہی

مراکز ہیں اور نہ ہی ان کے پاس مریضوں کے علاج کے لئے کوئی اسپتال ہے اور نہ دعوت وتبلیغ کے ادارے ہیں اور نہ پڑھنے کے لئے کتابیں فراہم ہیں۔

ایک جانب یہ صورت حال ہے جبکہ دوسرا رخ یہ ہے کہ دنیا بھر سے حج کرنے والے ستر فیصد ایسے حجاج کرام ہوتے ہیں جو اس سے پہلے فرض حج ادا کر چکے ہیں صرف نفلی حج کے لئے حرمین شریفین جاتے ہیں اور اپنی خوشی سے خرچ کر دیتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے دین کو سمجھتے اور دین کے ترجیحی احکام کو جانتے تو اپنے مسلم بھائیوں کو مصائب ومشکلات سے نکالنے کے پیش قدمی کرنے کو نفلی حج وعمرہ کرکے روحانی لذت حاصل کرنے پر فوقیت دیتے اور اگر غور وتدبر کرتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ مسلمانوں کو مصائب وآلام سے بچانے کا لطف کہیں زیادہ عظیم وعمیق مسرت والا ہے اس خوشی سے جس میں بسااوقات ریاء ونمود کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے۔

امام راغبؒ روشن کلمات:

فقہاء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالی اس نفل وتطوع کو اس وقت تک قبول نہیں کرتے جب تک کہ فرض کو ادا نہ کرلیا جائے۔ امام راغب اصفہانی نے عبادات کے فرائض اور مکارم کے نوافل میں موازنہ کرتے ہوئے ذکر کیا ہے اور کیا ہی نکتہ کی بات کہی ہے، فرماتے ہیں:

جان لو کہ اچھے اعمال کے مقابلہ میں عبادت عام ہے کیونکہ ہر صالح عمل عبادت ہے اور ہر عبادت فضل وکمال نہیں اور دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ عبادات کے لئے معلوم فرائض ہیں اور متعین حدیں ہیں ان عبادات کو چھوڑنے والا ظالم اور زیادتی کرنے والا مانا جائے گا جب کہ فضائل ومکارم کا تارک اس کے برعکس ہے اور شرع کے مکارم وفضائل کو انسان اس وقت تک پوری طرح ادا کرنے والا نہیں ہوگا جب تک کہ عبادت کے وظائف اور

ذمہ داریوں کو پورا نہ کرے لہذا عبادات کو عدل وانصاف کے باب سے شمار کیا جائے گا اور مکارم کو فضائل ونوافل کے باب سے مانا جائے گا اور اس شخص کی نفل کو قبول نہیں کیا جائے گا جس نے فرض کو چھوڑ دیا ہے اور عدل چھوڑنے والے کی کوئی فضیلت نہیں ہے، بلکہ فضل پایا ہی جائے گا عدل کے بعد کیونکہ عدل کہتے ہیں اپنے ذمہ واجب کو پورا کرنے کو فض اس واجب پر زیادتی کو تو جس چیز کا وجود ہی نہیں پایا گیا اس پر زیادتی کا کیا معنی ہوسکتا ہے اور اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ جس نے اصل کو ضائع کیا وہ مراد کو حاصل نہیں کرسکتا اور جس شخص کو فرض نے فضل سے مشغول ہونے سے روکا وہ شخص معذور ہے اور جس شخص کو فضل نے فرض کی ادائیگی سے روکا وہ شخص مغرور ہے اور اللہ نے عدل کے ذریعہ احکام کی جانب اور احسان کے لفظ کے ذریعہ صالح اعمال کی طرف اشارہ کیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا :"**إن الله يأمر بالعدل والإحسان**"۔

فرض عین کی اولویت فرض کفایہ پر:

جس طرح فرائض رتبہ میں نوافل پر مقدم ہے بغیر کسی اختلاف کے مگر بذات خود فرائض متفاوت ہیں اور یہ طے شدہ امر ہے کہ فرض عین مقدم ہے فرض کفایہ پر بایں طور کہ فرض کفایہ کبھی اس شخص سے پایا جاتا ہے جس نے اس کو ادا کیا لیکن اس کی وجہ سے عدم ادائیگی کا گناہ دوسروں سے ساقط ہوجاتا ہے جبکہ فرض عین کا کوئی بدل نہیں، کسی کی طرف سے کوئی دوسرا اس کو ادا نہیں کرسکتا اور تحقیق کہ احادیث نبویہ فرض کفایہ پر فرض عین کی تقدیم پر دلالت کرتی ہیں، اس کی واضح مثال والدین کی اطاعت وخدمت اور جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق آیا ہے جبکہ جہاد فرض کفایہ ہو یعنی جہاد طلب ہو جہاد دفع نہیں۔

جہاد طلب یہ ہے کہ دشمن اپنے علاقہ ووطن میں ہے اس لئے اس کو تلاش کررہے ہیں تا کہ اس سے اپنے دفاع وحفاظت کی جنگ کریں اور اس پر حملہ کرکے ختم کردیں جب کہ وہ

ہمارے لئے رکاوٹ اور مصیبت سبب بن سکتا ہے اور وہ ہم پر حملہ کرنے کے لئے تیاری کر رہا ہے، ایسے موقع پر تمام مسلمانوں کا جہاد میں شریک ہونا ضروری نہیں مگر یہ کہ امام اور امیر تمام لوگوں کو جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دے۔

جہاد طلب میں والدین کی خدمت واطاعت زیادہ واجب ہے جہاد طلب میں جانے والے لشکر میں شامل ہونے کے مقابلے میں اللہ کے رسول ﷺ نے اس پر متنبہ فرمایا ہے۔

امام بخاری وامام مسلم نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور جہاد میں جانے کی اجازت چاہی آنحضور ﷺ نے اس سے فرمایا کیا تمہارے ماں باپ باحیات ہیں؟ اس نے عرض کیا جی ہاں، آپ نے فرمایا تو تم ان دونوں کی خدمت گزاری اور فرمانبرداری کر کے جہاد کرو (رواہ البخاری ومسلم)۔ اور امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ سے جہاد اور ہجرت پر بیعت کرنا چاہتا ہوں اور میرا ارادہ اس پر اللہ سے اجرت وثواب کا ہے، آپ نے فرمایا: کیا تمہارے والدین میں سے کوئی بقید حیات ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں، بحمد اللہ دونوں باحیات ہیں؟ آپ نے فرمایا: تو تم اللہ سے اجرت وثواب کے خواہاں ہو، اس نے کہا، جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: تب اپنے والدین کے پاس جاؤ اور ان کے ساتھ حسن معاشرت اور حسن سلوک کا معاملہ کرو۔

اور انہیں میں سے ایک روایت میں ہے کہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کیا میں آپ سے ہجرت کرنے پر بیعت کرنے آیا ہوں اور اپنے والدین کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ دونوں رو رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم ان کے پاس واپس جاؤ اور ان سے ایسے ہی ہنساؤ جیسا کہ تم نے ان دونوں کو رلایا ہے (ابوداؤد وابن ماجہ)۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور کہا میں جہاد کرنے کی آرزو رکھتا ہوں مگر اس پر قادر نہیں ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کیا

تمہارے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس نے کہا ہاں والدہ باحیات ہیں، آپ نے فرمایا: تم اللہ سے ملاقات کرو والدہ کے ساتھ نیکی وفرمانبرداری کرکے، اگر تم نے ایسا کرلیا تو تم حاجی اور عمرہ کرنے والے اور جہاد کرنے والے بن گئے (رواہ ابویعلی والطبرانی)۔

اور معاویہ بن جاہمہ بیان کرتے ہیں کہ جاہمہؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ : ''**أردت أن أغزو، وقد جئت استشيرک فقال هل لک من أم؟ قال نعم قال فألزمها فإن الجنة عند رجلها**'' (رواہ النسائی والطبرانی) (اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے ارادہ کیا ہے کہ غزوہ میں جاؤں گا اور آپ کے پاس مشورہ لینے آیا ہوں، آنحضور ﷺ نے جاہمہؓ سے کہا کیا تمہاری ماں ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں باحیات ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ان کی خدمت کو لازم پکڑ لو بے شک جنت ان کے قدموں کے پاس ہے)۔

اور طبرانی نے اسی حدیث کو جید حسن کے ساتھ نقل کیا ہے کہ جاہمہؓ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور جہاد کے لئے ان سے مشورہ طلب کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ألک الوالدان؟ کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں، کہا جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: ألزمہا فإن الجنۃ تحت رجلہا، تم ان کی خدمت کے لئے لازم پکڑ بے شک جنت ان دونوں کے قدموں کے نیچے ہے۔

فروض کفایہ بھی متفاوت ہوتے ہیں:

یہاں میں بہتر سمجھتا ہوں کہ وضاحت کردوں کہ فروض کفایہ بھی متفاوت ہوتے ہیں تو بعض فرائض کفایہ وہ ہیں جن کو کچھ لوگ پورا کرتے ہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ صرف ایک فرد اس کو ادا کرنے ولا ہے۔

اور کچھ فرائض کفایہ وہ ہیں جن کو ایک بڑی تعداد پوری نہیں کرتی یا کبھی کوئی اس کو

ادا ہی نہیں کرتا۔

لہذا امام غزالیؒ کے زمانہ میں ان کے ہم عصروں پر الزام لگایا گیا کہ وہ صرف فقہ کی طلب میں محنت وکاوش کرتے ہیں حالانکہ فقہ سیکھنا فرض کفایہ ہے، یہ الزام اس لئے تھا کہ دوسرے اہم واجبات سے انہوں نے چشم پوشی اور بے توجہی کی جیسے علم الطب، یہ حال ہوا کہ ایک شہر میں بیک وقت پچاس باکمال فقیہ تھے اور کوئی مسلمان طبیب نہیں تھا سوائے ایک ذمی طبیب کے حالانکہ طب کی دنیاوی ضرورت کے ساتھ طب کی شرعی اہمیت ہے اور وہ دینی امور میں سے ہے، اور وہ فرض کفایہ جس کو کسی نے ادا نہیں کیا اس میں مشغول ہونا اس کے بنسبت زیادہ بہتر ہے جس کو چند لوگوں نے ادا کیا اس میں مشغول ہونا زیادہ بہتر ہے اس فرض کے مقابلے میں جس کو ایک معتدبہ افراد نے ادا کیا اور بسا اوقات ضرورت سے زائد ہو۔

اور فرض کفایہ بعض اوقات میں فرض عین ہوجاتا ہے زید، عمر، بکر، پر لوگوں میں سے اس لئے کہ صرف اسی میں فرض کی تمام صلاحیتیں جمع ہیں اور اس کو ادا کرنے کے اسباب پائے جاتے ہیں اور اس سے کوئی مانع نہیں جیسا کہ کسی شہر کو ایسے فقیہ کی ضرورت ہے جو لوگوں کو احکام ومسائل بتائے اور فتوی جاری کرے اور وہی تنہا فرد ہے جس نے علم فقہ حاصل کیا ہے اور فقہ کی تحصیل پر قادر ہے۔

اور اس کی مثال معلم اور خطیب، طبیب اور انجینئر وغیرہ اور ہر وہ ذی علم یا ماہر فن، لوگوں کو ان کی ضرورت ہے اور وہی اس فن کو جانتا ہے تو ایسے شخص پر اس علم وفن کا حاصل کرنا پھر اس کے تقاضوں کو مفاد عامہ میں پورا کرنا فرض عین ہے اگرچہ اپنی اصل کے اعتبار سے یہ علم وفن فرض کفایہ کے درجہ میں ہے اور اس کی مثال یہ بھی ہے کہ کوئی شخص متعین عسکری معلومات رکھتا ہے اور اسلامی لشکر اس معلومات کا ضرورت مند ہے اور اس شخص کے علاوہ کوئی دوسرا اس خدمت کو پورا نہیں کرسکتا ہے تو اس باخبر شخص پر واجب ولازم ہے مسلمانوں کے مفاد میں اس خدمت کے لئے خود کو پیش کرے۔

خالص اللہ کے حق پر حقوق العباد کی ترجیح:

جب فرض عین مقدم ہے فرض کفایہ پر تو یہ فروض اعیان میں بھی تفاوت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ شریعت مطہرہ حقوق العباد سے متعلق بہت سے احکام کی تعظیم کی تاکید کرتی ہے، تو وہ فرض عین جو صرف حقوق اللہ سے متعلق ہے اس سے تسامح ممکن ہے برخلاف اس فرض عین کے جو حقوق العباد سے متعلق ہے علماء نے فرمایا کہ حقوق اللہ مسالمت پر مبنی ہے اور حقوق العباد میں مناقشہ ومخاصمہ پر مبنی ہے مثال کے طور پر جب حج کرنا واجب ہو جائے اور دین (قرض) کا ادا کرنا بھی واجب ہو تو حج کے وجوب پر دین کی ادائیگی مقدم ہوگی کسی مسلمان کے لئے جائز ہی نہیں ہے کہ حج کے لئے جائے جب تک کہ قرض ادا نہ کر لے ہاں اس صورت میں جائز ہے جب کہ صاحب دین اجازت دیدے یا پھر قرض موجل ہے اور اس کو پورا اعتماد ہے دین کے ادا کرنے پر وہ قادر ہے، دیکھئے دین کا ادا کرنا حقوق العباد میں سے ہے اور حج خالص حق اللہ ہے حق العباد کو حق اللہ پر مقدم کیا گیا۔

حقوق العباد کی اہمیت (خاص کر مالی حقوق سے متعلق) کو بتانے کے لئے یہ حدیث کافی ہے کہ اللہ کے راستہ میں شہادت سے بھی دَین ساقط نہیں ہوتا، حالانکہ شہادت اعلی ترین درجہ ہے جس کے ذریعہ سچا مسلمان اپنے پروردگار سے قرب حاصل کر لیتا ہے، حدیث صحیح ہے کہ "**يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدَين**" (شہید کا ہر گناہ بخش دیا جاتا ہے سوائے قرض کے)۔

حقوق العباد کی ترجیح وتقدیم حقوق اللہ پر

یہ بات بے غبار اور واضح ہو چکی ہے کہ فرض عین فرض کفایہ پر مقدم ہے، اتنی بات اور جاننا چاہئے کہ فرض عین کے بھی مختلف درجے ہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت اپنے اوامر اونواہی میں حقوق العباد اور حقوق اللہ میں نماز کا تاکیدی حکم کرتی ہے اور اس کی اولیت کو باقی رکھنے کی طرح طرح سے ترغیب دیتی ہے۔

ایک فرض وہ ہوتا ہے جس کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اور اس میں چشم پوشی اور اغماض کی گنجائش نہیں رہتی اسے حتی المقدور ادا کرنا ہی پڑتا ہے، اسی بنیاد پر فقہاء کرام نے یہ اصول بنایا کہ حقوق العباد کی بنیاد زیادہ سہولت، اور عفو و درگذر پر رکھی، اور حقوق العباد کی بنیاد زیادہ سے زیادہ تاکید اور اہتمام پر رکھی، لہذا جاننا چاہئے کہ جب کبھی حج کا فریضہ اور ادائے قرض کا فریضہ بیک وقت درپیش ہو تو ادائے قرض مقدم ہوگا، کسی کے لئے جائز نہ ہوگا کہ وہ قرض کی ادائیگی سے پہلے حج کا اقدام کرے، الا یہ کہ صاحب قرض سے اجازت لے لی ہو یا یہ کہ قرض مؤجل ہو، اور اس کی ادائیگی کے وقت میں ابھی تاخیر ہو اور وہ اس کے ادا کرنے پر قادر ہو یا کم از کم ٹھیک وقت پر انتظام کر سکے۔

حقوق العباد کی اسی ترجیحی حیثیت کے سبب صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ کے راستے کی شہادت سے بھی جو کہ اللہ کا قرب ورضا حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے قرض کی ادائیگی معاف اور ساقط نہیں ہوتی۔

چنانچہ مسلم شریف کی حدیث ہے کہ شہید کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں سوائے قرض کے جس کو ادا نہ کیا ہو۔ مسلم شریف ہی کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے

حاضر خدمت ہو کر آپ ﷺ سے پوچھا آپ کا کیا خیال ہے؟ اگر میں اللہ کے راستہ میں شہید کر دیا جاؤں، کیا میرے گناہ معاف ہو جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اگر تم کو قتل کر دیا گیا، اور تم صبر کے ساتھ لڑتے رہے تم نے پیٹھ نہیں پھیری، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے کیا سوال کیا تھا اسے ذرا پھر سے دہراؤ، اس نے پھر دہرایا، تو آپ ﷺ نے اپنا جواب بھی لوٹایا اور اس پر اتنا اضافہ کر دیا الا الدین یعنی سوائے قرض کے، کیونکہ جبرئیل نے ابھی آ کر مجھے یہ بات بتلائی ہے، اور اس سے بھی تہدید آمیز اور تعجب خیز آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے: سبحان اللہ! اللہ نے کتنی سخت بات قرض کے بارے میں فرمائی، فرمایا آپ ﷺ نے: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی شخص اللہ کے راستہ میں قتل کیا جائے پھر زندہ کیا جائے پھر قتل کیا جائے پھر زندہ ہو اور پھر قتل کیا جائے اور اس پر قرض ہو تو وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے گا، جب تک کہ وہ قرضہ ادا نہ کر لے۔

اسی طرح اگر کوئی اللہ کے راستہ یعنی جہاد میں ہو اور وہ تقسیم سے پہلے مال غنیمت میں سے کچھ بلا اجازت لے لے گرچہ وہ معمولی ہی چیز کیوں نہ ہو تو وہ جنت میں جانے سے محروم رہے گا اور اسے جہاد، شہادت کسی عمل کا کچھ بھی ثواب نہ ملے گا۔

آپ ﷺ کی زندگی میں کرکرہ نامی ایک شخص تھا جب وہ مرا تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جہنم میں پہنچ گیا، تو لوگ اس کے پاس تحقیق حال کے لئے گئے تو دیکھا کہ اس کے مردہ جسم پر ایک چوغہ پڑا ہوا ہے جسے اس نے مال غنیمت میں سے خیانت کر لیا تھا۔

صحابہ ہی کے درمیان رہنے والے ایک شخص کی غزوہ خیبر میں وفات ہوئی لوگوں نے آپ ﷺ کو اس کے انتقال کی اطلاع دی آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ جاؤ اور اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو، لوگوں کے چہرے پر اس بات کو سن کر حیرت واستعجاب کے آثار ظاہر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا یہ ساتھی ایک مرتبہ جہاد میں تھا اور اس نے ایک سامان چھپا کے رکھ لیا تھا، لوگوں نے اس کے سامان کی تلاشی لی تو اس میں سے ایک یہودی کی انگوٹھی

کا نگینہ ملا جس کی قیمت بمشکل دو درہم تھی۔

قابل غور بات یہ ہے کہ دو درہم کی وجہ سے آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھانے سے اعراض کیا، تا کہ میرا یہ عمل لوگوں کے لئے نصیحت ہو اور لوگ دوسرے کے ہر مال سے خواہ کم ہو یا زیادہ زندگی بھر اجتناب کلی کریں۔

ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ عمر بن الخطاب ؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ خیبر کے دن صحابہ کی ایک جماعت نے آ کر مجھ سے کہا: فلاں اور فلاں شہید ہے پھر ایک اور آدمی پر اس کی نظر پڑی تو کہا: یہ فلاں بھی شہید ہے، آپ ﷺ نے اس بات کو سن کر فرمایا: ایسا نہیں ہے میں نے اس کو جہنم میں دیکھا ہے وہ بھی ایک چادر کی وجہ سے جس کی اس نے خیانت کی تھی، پھر آپ ﷺ نے ابن خطاب سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے ابن خطاب! جا کر لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں سوائے مومنین کے اور کوئی داخل نہ ہوگا۔

یہ روایات اور احادیث حقوق العباد کی اہمیت اور عظمت کو بخوبی واضح کر رہی ہیں بطور خاص مالی حقوق کی ادائیگی اور اس میں احتیاط کو جس میں ذرا سی بھی غفلت انسان کے لئے بڑی تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ لہذا اچھی طرح سمجھ لیں کہ کسی کا مال لینا بغیر اس کی اجازت اور مرضی کے جائز نہیں ہے گرچہ کم اور بے قیمت کیوں نہ ہو، اس لئے کہ ظلم کی ابتداء تھوڑے ہی سے ہوتی ہے جس نے تھوڑے کو گوراہ کرلیا زیادہ کو بھی گوارہ کر لے گا، ہر چھوٹا بڑے کی طرف جھکتا اور بڑھتا ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آگ کا شعلہ چنگاری ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

اجتماعی حقوق اور ضرورتیں انفرادی حقوق پر مقدم ہوں گے:

اولی اور راجح مسائل کا جب بیان چل رہا ہے تو ایک مسئلہ اور گوش گذار کرتے چلیں کہ وہ حوائج، ضرورتیں اور ذمہ داریاں جن کا تعلق پوری قوم، معاشرے یا کسی جماعت سے ہو ان انسانی ضرورتوں اور ذمہ داریوں پر مقدم ہوں گے جن کا تعلق کسی ایک فرد یا شخص سے ہو،

اس لئے کہ فرد کی بقاوصحت جماعت اورقوم وملت کی بقاوصحت پرموقوف ہے،اورانسانی معاشرہ بمقابلۂ انفراد، اجتماعی زندگی کو پسند کرتا ہے۔قدماء کے اقوال بھی ہماری تائید میں موجود ہیں، یا محدثین کے بقول کہ انسان ایک معاشرتی حیوان ہے جسے تنہائی سے وحشت ہوتی ہے گویا کہ یہ انسان حقیقت کے اعتبار سے اپنے حق میں معدوم اور معاشرہ وقوم کے حق میں موجود ہوتا ہے۔ ہماری ان مختصر باتوں سے اظہر من الشمس ہو گیا کہ اجتماعی حقوق کی ادائیگی انفرادی حقوق کی ادائیگی پر مقدم ہے۔

علماء کرام کا فتویٰ موجود ہے کہ جب فریضہ جہاد علی الکفایہ اور والدین کی خدمت کا فریضہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہوں تو والدین کی خدمت مقدم اور لازم ہے، جیسا کہ پیچھے ذکر کردہ احادیث سے معلوم ہوا،لیکن اگر جہاد فرض عین ہو تو وہی مقدم ہوگا،مثلاً اگر دشمنان اسلام کسی اسلامی ملک پر دھاوا بول دیں اور وہ شہر خطرے کی لپیٹ میں آسکتا ہو تو پورے شہر والوں پر اپنا دفاع اور بچاؤ فرض ہوجائے گا۔ اگر ہر فرد کی ضرورت درکار ہو تو سب کا نکلنا فرض ہے ایسے موقع پر اگر کوئی والدین اپنے فرزند کو اس جہاد میں جانے سے روکیں تو یہ روکنا درست نہ ہوگا وجہ یہ ہے کہ والدین کی خدمت اور اطاعت اگر چہ فرض عین ہے جہاد ہی کی طرح،مگر یہ جہاد پوری ملت اسلامیہ کے لئے ہے جس میں خود والدین بھی شامل ہیں، اگر عدم دفاع سے پوری قوم ہلاک ہوگئی تو ظاہر ہے والدین بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہ پائیں گے۔اس لئے یہ جہاد حقیقتاً ہر ایک کے نفع کی خاطر ہوا علاوہ ازیں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جہاد حق اللہ اور والدین کی خدمت حق العبد ہے،اور حق اللہ مقدم ہے حق العبد پر، یہ بات بھی یہاں ملحوظ رہے کہ حق اللہ کا لفظ قوم وملت کے حق پر بھی بولا جاتا ہے کیونکہ اللہ کے احکام سے اس کی کوئی مصلحت یا منفعت متعلق نہیں ہوتی بلکہ اس سے بندوں ہی کی کوئی نہ کوئی مصلحت پیش نظر ہوتی ہے، اللہ تو ہر چیز سے مستغنی اور بے نیاز ہے۔

ابھی جو اصول ذکر کیا گیا کہ اجتماعی مفاد انفرادی مفاد اور حقوق پر مقدم ہوں گے، اسی

قاعدہ کی رو سے امام غزالیؒ نے ایسے مسلمان شخص کو چند مخصوص شرطوں کے ساتھ مارنا جائز قرار دیا ہے، جیسے دشمن یا اس کی فوج ڈھال بنالے اور اس طرح اس کے پیچھے چھپ جائے کہ بغیر اس مسلمان کے مارے ان دشمنوں تک پہنچا نہ جاسکے حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ مسلمان کے خون کی حفاظت بالاتفاق واجب ہے ناحق کسی کا خون بہانا جائز نہیں۔ امام غزالیؒ نے ماقبل میں جس مسلمان کا خون جائز قرار دیا، اس کا سبب یہی ہے کہ وہاں پوری ملت کے وجود وبقا کا لحاظ رکھا گیا ہے ایک شخص کی ہلاکت کی تلافی تو کسی نہ کسی درجے میں کی جاسکتی ہے مگر پوری قوم کے نقصان اور ہلاکت کا کوئی بدل نہیں۔

اولویت اور ترجیح کے اسی قاعدے کی رو سے فقہاء کرام نے بھی فتاوی کی کتابوں میں لکھا ہے: اگر دشمن اپنے بچنے کے لئے کسی مسلمان کو ڈھال بنالیں چاہے یہ مسلمان ان دشمنوں کے قیدی ہوں یا آزاد اور اس غزوہ کے ترک میں ملت اسلامیہ کا بہت بڑا نقصان نظر آرہا ہو تو اسے قتل کرنا جائز ہے جبکہ وہ بیچارہ معصوم ہے اس کا کوئی گناہ نہیں مگر یہاں پوری امت کی حفاظت اور بچاؤ کے عمل نے اس فرد کی قربانی کا تقاضا کیا تاکہ اسلام کا استئصال نہ ہو اور ایمان کی کفر پر فتح حاصل ہوجائے اور رہا مسئلہ اس مقتول مسلمان کا تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے وہ آخرت میں اسے خوش کرے گا۔

امام غزالیؒ نے ایسے لوگوں کے قول کا زبردست رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ معصوموں کے خون ناحق کو بہانا ہے، اور فرمایا کہ ان معترضین کو مسئلہ کے دوسرے پہلو پر بھی غور کرنا چاہئے کہ اگر ایسے ماحول میں اس مقتول کے خون سے بچ کر جہاد سے ہاتھ کھینچ لیا جائے تو پھر اس ایک فرد کے بچاؤ کے نتیجہ میں بے شمار مسلمانوں کا خون ہوگا اور یہ امر مسلم ہے کہ کلی کو جزئی پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ فیصلہ یہی کیا جائے گا کہ تمام اہل اسلام کی حفاظت اور انہیں کفار کے ظلم سے بچانا شریعت کی نگاہ میں ایک مسلمان کے خون کے مقابلہ میں اہم ہے۔ اور معترضین کا قول اپنی جگہ صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح وہاں بھی موازنہ کیا جائے گا اسلامی لشکر دشمن کی فوج سے برسر پیکار ہو اور اس میں درکار آمدنی اور آلات حرب وضرب حسب ضرورت نہ ہو تو اسلامی حکومت عام لوگوں سے اخراجات کا صرفہ وصول کرے گی لوگ اگر چہ بہت خوشحال نہ ہوں اور زکاۃ وصدقات کے سوا ان کے پاس خالص آمدنی کی کمی ہو، اور یہ فقط اپنا اجتہاد نہیں بلکہ نصوص شرعیہ سے اس کی پوری تصدیق ہوتی ہے، امام غزالیؒ نے اس جیسے مقام اور حالات کے لئے اپنا یہ نظریہ اور اصول بیان فرمایا کہ جب دو آفتیں یا دو قسم کے سخت حالات میں انسان گھر جائے اور بیک وقت دونوں سے دفاع کا موقع یا طاقت نہ ہو تو شریعت اسلامیہ ان دونوں میں سے جو زیادہ خطرناک اور ہلاکت خیز ہوگی، اسے ہٹانے اور ٹالنے کا حکم کرے گی، اگر جہاد میں لوگ اپنے مال کی تھوڑا بہت قربانی نہیں دیں گے تو اسلامی حکومت ٹوٹنے سے جو نقصان ملت کو پہنچے گا اور دین وشریعت کا پاکیزہ نظام جتنا مختل ہوگا وہ کبھی پورا نہ ہو سکے گا۔

کچھ ایسا ہی معاملہ مسلمان قیدیوں کو کفار کی قید سے آزاد کرانے اور انہیں دشمنان اسلام کی اذیتوں سے نجات بخشنے کا ہے۔

امام مالکؒ نے فرمایا: مسلمان قیدیوں کو آزادی دلانا تمام مسلمانوں پر لازم ہے، گر چہ اس میں ان کا تمام مال خرچ ہو جائے، اس لئے کہ یہ امت اسلامیہ کا ایک فرد ہے اور اسے قید بامشقت کی سزا بھی اس لئے ملی ہے کہ یہ امت اسلامیہ سے نسبت رکھتا ہے اور امت مسلمہ کی شرافت وکرامت کا بچانا اور بڑھانا کسی ایک فرد کے بچانے سے کہیں زیادہ اہم ہے۔

جماعت وقوم کی حمایت ونصرت ذاتی تعلقات پر مقدم ہے:

قرآن وسنت کی بے شمار آیات وروایات سے یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ قوم وملت کی حمایت، ان کے حقوق کی ادائیگی اور ان سے جڑے مسائل کے حل کی سعی وکوشش، خاندان وقبیلہ کے حقوق پر مقدم ہے، انفرادیت اور شخصیت پرستی اور ان کے حقوق کو مقدم رکھنے کی

کوشش اور جماعت مسلمین سے الگ تھلگ رہنے کا مزاج اسلامی تعلیمات اور دینی روح کے منافی ہے اور نہ ہی اسلامی تعلیمات کے بحر بے کراں میں اس کا دور دور تک کہیں نام ونشان ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اپنے قبیلہ وخاندان کو لوگ اپنی توجہ کا مرکز سمجھتے تھے اور قبیلہ کا ہر فرد اپنے قبیلے ہی کی حمایت میں رہتا تھا چاہے وہ حمایت شرعاً جائز ہو یا ناجائز، حق ہو یا باطل، ایک شاعر نے اس مضمون کو اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے:

لا یسئلون أخاهم حین یندبهم

فی النائبات علی ما قال برهاناً

(جب بھی کسی مصیبت پر ان کا بھائی انہیں آواز دیتا ہے تو مدد کے لئے دوڑ پڑتے ہیں اور یہ نہیں پوچھتے کہ معاملہ کیا ہے)۔

قبل از اسلام ہر ایک کا گویا نعرہ تھا انصر أخاک ظالماً أو مظلوماً ہم تو اپنے ہی لوگوں کی مدد کریں گے ہمیں اس سے مطلب نہیں کہ غلطی کس کی ہے۔

جب اسلام کا سورج طلوع ہوا اور اس نے اپنی نورانی کرنوں سے دنیا والوں کو منور کرنا شروع کیا تو جاہلیت کا یہ نعرہ بھی بدلا اور اسلام نے حمایت کی تمام تر شکلوں اور صورتوں کا رخ اللہ، اس کے رسول ﷺ اور جماعت مسلمین کی طرف پھیر دیا اور فرمایا:

{انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلاۃ ویؤتون الزکاۃ وھم راکعون، ومن یتول اللہ ورسولہ والذین آمنوا فان حزب اللہ ھم الغالبون} (مائدہ۵۵:–۵۶)۔

(تمہارے دوست تو اللہ تعالی اور اس کے رسول اور ایمان والے لوگ ہیں، جو نماز کی پابندی کرتے ہیں، اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور ان میں خشوع ہوتا ہے اور جو شخص اللہ تعالی سے دوستی رکھے گا اور اس کے رسول سے اور ایمان والوں سے تو یہ اللہ کے گروہ والے ہیں اور اللہ کے گروہ کے لوگ ہی غالب رہیں گے)۔

اور آپ ﷺ نے "انصر أخاک ظالماً أو مظلوماً" کا مطلب یہ بیان کیا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو اگر وہ مظلوم ہے تو اس کا ساتھ دو اور پوری پوری حمایت کرو اور اگر ظالم ہے تو اسے ظلم کرنے سے روکو یہی اس کی مدد کرنا ہے اور حقیقی مدد یہی ہے کہ کسی کو عذاب آخرت سے بچالیا جائے۔

قرآن وسنت نے اس تعصب اور تکبر پرست قوم کے ذہنوں کو بدلا اور کہا: گواہی ہر حال میں انصاف کی خاطر ہونی چاہیئے، کسی تعلق دار کی محبت یا مخالف کی مخالفت اور دشمنی، جادہ حق اور سچی حمایت سے نہ روک دے، عدل وانصاف کی رسی اور اسے مضبوطی سے تھامے رہنا تمام محبتوں اور علائق پر بھاری ہے، اور محبت بھی حقیقی وہی ہے جس کی بنیاد اللہ اور اس کے پیارے رسول پر ہو، لہذا محبت میں غلو یا عداوت سے مغلوب ہو کر حق کا دامن نہ چھوڑنا چاہیئے۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

{یا أیها الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو علی أنفسکم} (النساء:٦)۔

(اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنو اگرچہ گواہی اپنی ذات کے خلاف پڑے)۔

{یا أیها الذین آمنوا کونوا قوامین لله شهداء بالقسط ولا یجرمنکم شنآن قوم علی أن لا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوی واتقوا الله} (مائدہ)۔

(اے ایمان والو اللہ تعالی کے لئے پوری پابندی کرنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے رہو اور کسی خاص قوم کی عداوت تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو کہ وہ تقوی کے زیادہ قریب ہے)۔

آپ ﷺ نے عہد جاہلیت کی بعض عبارتوں، محاوروں اور جملوں کو جو زیادہ زبان زد عام وخاص تھی استعمال کر کے اسے نیا مفہوم عطا کیا، جس سے وہ پہلے واقف نہ تھے، اس کی مثال

ابھی گذری کہ آپ نے انصر أخاک ظالماً أومظلوماً کے مفہوم کو بدل کر نئے اور مفید سے مفید تر معانی کا اسے جامہ پہنایا، تا کہ وہ پھر کسی پر ظلم کر کے اپنے کو اخروی نقصان میں نہ ڈالے کیوں کہ ظلم تو قیامت کے دن سراسر ظلمت وتاریکی ہوگا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے عصبیت کی دعوت دینے سے یا اس کی بنیاد پر جنگ جدال کرنے سے اپنی امت کو سختی سے منع فرمایا چنانچہ شریعت مطہرہ نے دوٹوک انداز میں اعلان فرمایا کہ جو عصبیت کی بنیاد پر لڑتا ہوا مرا وہ جاہلیت کی موت مرا، چنانچہ صحیح حدیث میں بیان فرمایا گیا:

"من قتل تحت رأية عمية يدعو عصبية وينصر عصبية فقتلته جاهلية " (رواہ مسلم)۔

(جس شخص نے ناحق، عصبیت کی بنیاد پر کسی سے قتال کیا یا کسی کی حمایت کی تو اسے جہالت وگمراہی نے ہلاک کر ڈالا)۔

اور ایک دوسری حدیث میں آیا ہے:

"من خرج عن الطاعةو فارق الجماعة فمات، مات ميتة جاهلية، و من قاتل تحت رأية عمية، يغضب لعصبة أو يدعو الى عصبة، أو ينصر عصبة، فقتل فقتلته جاهلية " (رواہ مسلم)۔

(جو شخص امیر کی اطاعت اور امت کے سواد اعظم سے علاحدگی اختیار کر لے اور پھر اسی حالت میں مر جائے تو وہ جاہلیت کے طرز پر مرا، اور جو شخص ناحق کسی کی طرفداری میں قتال کرے یا غصہ ہو یا ناحق طرفداری کی دعوت دیتا ہو یا ناحق کسی کی حمایت میں آگے بڑھتا ہو پھر اسی حالت میں اسے قتل کر ڈالا گیا ہو تو اس کی موت اسلام پر نہیں بلکہ جاہلیت کے اوصاف پر ہوئی)۔

ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے:

"ليس منا من دعا الى عصبية، وليس منا من قاتل على عصبية وليس منا من مات على عصبية"۔

(وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی دعوت دے اسی طرح وہ شخص جو عصبیت کی بنیاد پر قتال کرے اور اسی طرح وہ شخص بھی جو عصبیت ہی کو دل میں لئے مرے)۔

"وعن واثلة بن الأسقع، قلت :يارسول الله! ما العصبية؟ قال :أن تعين قومک على الظلم" (رواہ ابوداؤد)۔

(واثلہ بن اسقعؓ سے روایت ہے کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول عصبیت کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ تم اپنی قوم کی مدد کرو جب کہ وہ ظلم کررہے ہوں)۔

"وروى ابن مسعود، من نصر قومه على غير الحق فهو كالبعير الذى ردّى فهو ينزع بذنبه" (رواہ ابوداؤد)۔

(ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جس شخص نے ناحق اپنے لوگوں کی مدد کی وہ اس اونٹ کی طرح ہے جو کنویں میں گر جائے پس لوگ اسے دم پکڑ کر کھینچ رہے ہوں)۔

امام خطابیؒ نے فرمایا: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ گناہ میں پڑ گیا اور ہلاک ہوگیا، جیسا کہ اونٹ جب کنویں میں گر جائے اور پھر اسے دم پکڑ کر نکالنے کی کوشش کی جائے اور وہ نہ نکلے آپ ﷺ نے بڑی سختی سے عصبیت وقوم پرستی کو منع فرمایا، اور ایسے تمام لوگوں سے قطع تعلق اور براءت کا اظہار فرمایا، جو عصبیت کو پسند کرتا ہو یا اس کی دعوت دیتا ہو یا عصبیت ہی پر اس کی موت آئی ہو آپ ﷺ نے بڑی تاکید سے جماعت مسلمین کے ساتھ جڑے رہنے کا حکم فرمایا، اور اپنے اعمال وافعال سے اسے ثابت بھی کیا۔

اور فرقہ بندی، تفرقہ بازی، اور اختلاف وانتشار کو ناپسند کیا، ایسے میں مفہوم کو دل میں جمانے بسانے کے لئے ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: يد الله على الجماعة (رواہ الترمذی) (جماعت پر اللہ کی مدد ہوتی ہے)۔ اور فرمایا: "الجماعة رحمة والفرقة عذاب

"(رواہ احمد) (جماعت مسلمین سے جڑے رہنا رحمت اور کٹنا عذاب الٰہی کا سبب ہے)۔

"عليكم بالجماعة وإياكم والفرقة، فان الشيطان مع الواحد، وهو من الاثنين ابعد، من أراد بحبوحة الجنة فيلزم الجماعة" (رواہ ابوداؤد)۔

((اے لوگو) جماعت کو لازم پکڑو اور فرقہ بندی اور اختلاف وانتشار سے بچو، کیونکہ تنہا رہنے والے کے ساتھ شیطان لگ جاتا ہے اور جب دو ہوں گے تو شیطان سے حفاظت رہے گی، جو شخص جنت کے بیچوں بیچ اپنا ٹھکانا بنانا چاہے تو اسے چاہئے کہ جماعت کے ساتھ رہے، اور شیرازہ بندی کو قائم رکھے)۔

افراد امت میں شیرازہ بندی کا مزاج کیسے پیدا ہو:

یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ اجتماعیت کی حمایت اور اتحاد کو باقی رکھنا ہر جگہ مقدم ہے، اور انتشار وفرقہ بندی سے بچنا ہر شخص کی اپنی ذمہ داری ہے اسلام نے اپنے جملہ احکام، عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت ہر جگہ اجتماعیت کی روح پھونکی ہے اور اس کی برکات اور دینی ودنیاوی ثمرات کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے، اور اس سے غفلت برتنا یا اس کو ثانوی درجہ دینا ایک ناپسندیدہ اور غیر مقبول عمل قرار دیا ہے، انفرادیت کی تو بس اتنی ہی حیثیت ہے جتنی عمارت میں ایک اینٹ کی ہوتی ہے، یا کسی انسان کے جسد خاکی میں کسی عضو کی۔ اور انفرادیت کو فقط ایک اینٹ سے تشبیہ دینا کسی عام آدمی کی بات نہیں ہے بلکہ یہ آپ ﷺ کی ایک فصیح وبلیغ تعبیر ہے جو ذخیرہ احادیث میں موجود ہے:

"عن أبي موسى الأشعري أن النبي ﷺ قال :المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضهم بعضاً" (ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے عمارت کے مثل ہے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کو تقویت بخشتی ہے)۔

"عن نعمان بن بشير أنه قال عليه السلام :مثل المؤمنين في توادّهم

وتراحمهم وتعاطفهم كمثل الجسد، اذا اشتكى منه عضو، تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى"(متفق علیہ)۔

(نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مومن کی مثال آپس کی محبت، ہمدردی اور خیر خواہی میں ایک جسم کی طرح ہے کہ جب اس کا کوئی عضو تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو جسم کے باقی اعضاء بھی بے خوابی، بخار وغیرہ میں اس کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں)۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے قرآنی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی پیاری تعلیمات کے ذریعہ ہر جگہ اجتماعیت کا شعور پیدا کیا اور امت مسلمہ کو اپنے تمام احکام میں اس کے اہتمام کی ترغیب دی، اذان، نماز، مساجد، جمعہ، اور عیدین کے احکام، اجتماعیت اور معاشرتی میل ملاپ رکھنے کی واضح دلیل ہیں، آپ ﷺ نے کسی اندھے کو بھی جو کہ اذان کی آواز سنے یہ اجازت نہیں دی کہ وہ تنہا گھر میں نماز پڑھے، بلکہ جو لوگ جماعت میں شریک نہیں ہوتے آپ ﷺ نے ان کے گھروں کو جلا دینے تک کے ارادے کا اظہار کیا۔

اسی طرح کسی کو مسجد میں یہ جائز نہیں ہے کہ وہ صف کے پیچھے تن تنہا نماز پڑھے کیونکہ اس شکل میں انفرادی اور کنارہ کشی کی بو آتی ہے جو اسلام میں ناپسندیدہ ہے:

"**وقد روى وابصة بن سعيد** رضي الله عنه **أن رسول الله** صلى الله عليه وآله وسلم **رأى رجلاً يصلي خلف الصف وحده فأمره أن يعيد الصلاة**" (رواہ ابوداؤد) (حضرت وابصہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اسے نماز دہرانے کا حکم دیا)۔

علی بن شیبانؓ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک مرتبہ آ کر آپ ﷺ سے بیعت کی اور آپ کے پیچھے نماز بھی ادا کی اور کچھ دوسری نمازیں بھی ہم نے پڑھیں، جب آپ ﷺ اپنی نماز پوری کر چکے تو ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھ رہا ہے آپ اس جگہ رک گئے جب وہ جانے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنی نماز پھر سے پڑھو کیونکہ

اس شخص کی نماز ہوتی ہی نہیں جوصف سے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھے (رواہ ابن ماجہ)۔

چنانچہ مسئلہ یہ ہے کہ جو مسجد میں جانے کے بعد صفوں کو بھرا ہوئے دیکھے تو اس میں کھڑا ہونے کے لئے گنجائش نکالے اگر گنجائش نکل آئے تو کھڑا ہو جائے اور اگر گنجائش نہ ملے تو اگلی صف سے کسی کو کھینچ کر اپنے ساتھ کھڑا کر دے لیکن تنہا نماز نہ پڑھے اور دوسروں کو بھی اس کے لئے اپنا مونڈھا نرم کر لینا چاہئے، اس عمل پر اسے اللہ کے یہاں ثواب ملے گا، اور دونوں میں سے کسی کی نماز میں اس سے کوئی فرق نہیں آئے گا، یہاں اس قسم کی احادیث سے بتلانا یہ ہے کہ اسلام نے اجتماعیت اور شیرازہ بندی کی تشکیل پر کتنا زور دیا ہے۔

علاوہ ازیں مصلی جب اپنی تنہا نماز پڑھتا ہے تب بھی معنوی طور پر اس کا تعلق امت مسلمہ ہی سے جڑا رہتا ہے اور وہ جو کچھ اللہ رب العزت سے کہتا ہے وہ فقط اپنے لئے یا اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ وہ پوری مسلم برادری کی ترجمانی کرتا ہے چنانچہ کہتا ہے : ''ایاک نعبد وایاک نستعین''، وہ صرف اپنے لئے نہیں بلکہ پوری ملت کے لئے ہدایت کی دعا کرتا ہے، چنانچہ کہتا ہے : ''اہدنا الصراط المستقیم''، روزہ کے ایام اور عیدین میں بھی آدمی تنہا روزہ نہیں رکھتا اور نہ تنہا دوگانہ ادا کرتا ہے بلکہ بستی کے سارے لوگ اس کے ساتھ اس عمل میں شریک رہتے ہیں اور نہ ہی حج میں وقوف عرفات علاحدہ طور پر کسی اپنی تاریخ میں کرنا جائز ہے، اور نہ ہی صوم عرفہ اپنے طور علاحدہ رکھنا صحیح ہے۔

ابن تیمیہ سے اس گاؤں والے کے متعلق پوچھا گیا جس کے کچھ لوگوں نے ذی الحجہ کا چاند دیکھا ہو لیکن شہر کے قاضی اور حاکم کے یہاں اس کی تصدیق نہ ہو پائی ہو، کیا سب لوگ نو تاریخ کو روزہ رکھیں گے جو درحقیقت چاند نکل جانے کے اعتبار سے ۱۰ر ویں تاریخ ہوگی تو انہوں نے جواب میں فرمایا: ہاں، چونکہ عام لوگوں کے نزدیک ۹ ہی ہے اس لئے سب لوگ اسی دن روزہ رکھیں گے، اگرچہ اس کے خلاف رؤیت کا حکم قوی ہو اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا : ''صومکم یوم تصومون وفطرکم یوم تفطرون وأضحاکم یوم تضحون''

(روزہ رکھو جس دن سب لوگ روزہ رکھیں، افطار کرو جس دن لوگ افطار کریں، قربانی کرو جس دن لوگ قربانی کریں)۔

”وعن عائشة ﷺ قالت قال رسول الله :الفطر يوم يفطر الناس والأضحى يوم يضحى الناس“ (افطار کا دن وہی ہے جس میں لوگ افطار کریں اور قربانی کا بھی دن وہی ہے جس میں لوگ قربانی کریں، اور اسی کے مطابق ائمہ اربعہ کا بھی مسلک ہے، چنانچہ اگر وقوف عرفہ کے سلسلہ میں لوگ غلطی پر ہوئے تب بھی وقوف عرفہ ان کے حق میں صحیح ہوجائے گا اور وہ ان کے حق میں ۹ ہی ہوگی گرچہ حقیقت کے اعتبار سے ۱۰ ویں ہے۔

اصلاحی ترجیحات:

کسی نظام اور سسٹم کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح ضروری ہے:

اصلاح کے تعلق سے یہ بات قابل توجہ ہے کہ فرد اور شخصیت کی اصلاح وتہذیب کی فکر پہلے ہونا چاہئے اس کی تعمیر وتحسین ہی کسی ادارے اور سوسائٹی کی ترقی اور استحکام کا باعث ہوتی ہے بغیر اس کے کسی بھی اچھے معاشرے کی تشکیل اور صالح ماحول بنانے کا پروگرام محض ایک خواب ہے، جس کی کوئی تعبیر نہیں، اس سلسلہ میں قرآنی اصول ہمارے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، اللہ نے قرآن مبین میں فرمایا:

{ان الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بأنفسهم}، یعنی اللہ تعالی کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتے جب تک کہ انہیں اپنے بدلنے کی فکر نہ ہو۔

قرآن کی ترتیب ہر قسم کی اصلاح، انقلاب اور انفرادی واجتماعی تعمیر کی بنیاد ہے۔ اصلاح کی فکر افراد سے شروع ہوکر کامیابی وکامرانی کا اصل مدار یہی ہے اس کے بغیر کوئی بھی اجتماعی اصلاحی کام بحسن وخوبی انجام پذیر نہیں ہوسکتا، ہر عمارت کے استحکام میں اس میں لگنے والی اینٹ کا بنیادی کردار ہوتا ہے اگر اینٹ کمزور یا درست نہ ہو عمارت کی صحیح تعمیر نہیں ہوسکتی

ایسے ہی صالح معاشرے کی تشکیل میں ہر فرد انسان کی حیثیت ہے، اس لئے سب سے مقدم اور اولین ترجیح اس کو حاصل ہونی چاہئے کہ ہر ہر مسلمان کامل مسلمان بن جائے، اور اس کی ایسی صحیح اسلامی تربیت اور دینی ذہن سازی ہوجائے کہ کسی بھی حال میں اسلام سے سودابازی ان کے لئے اپنے کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہو، فرد انسان کی کامل اصلاح اور اس کے ہر ہر عضو کو صحیح کام پر لگانا انبیاء اور خلفاء اور اللہ کے سارے نیک لوگوں کا سب سے اہم اور پہلا مقصد تھا۔

انبیاء کرام کی پیغمبرانہ کوشش انسانوں میں کچھ اس طرح تھی کہ وہ سب سے پہلے ان میں ایمان اور صحیح عقائد کی روح پھونکتے تھے جس سے اس کی سوچ وفکر درست ہو اور وہ دنیا، آخرت، انسان، حیوان، اور سب سے بڑھ کر اللہ رب العالمین کو صحیح نظر سے دیکھے، ان اشیاء کی حقیقت اور ان کا حقیقی مقام ومرتبہ ان کو معلوم ہو، نہ کسی کو اس کے مقام سے آگے بڑھائے اور نہ کسی کی تنقیص ہو بلکہ صحیح عقیدے ونظریے کے ساتھ اسے اپنا میدان معاد اور مقصد زندگی معلوم ہو اور اسے ان تمام سوالوں کا شافی وکافی جواب مل جائے جو ملحد اور بددین لوگوں کے ذہن ودماغ پر ہجوم کرتے ہیں۔ انسان کے ذہن میں عام طور پر جو خیالات ہجوم کرتے ہیں مثلاً: میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں، کہاں مجھے جانا ہے، زندگی کیا ہے؟ موت کی حقیقت اور اس کی صحیح تعبیر کیا ہے؟ زندگی کے ابتدائی ایام سے لے کر موت کی دہلیز پر پہنچنے تک میرا مقصد زندگی کیا ہے؟ ایمان اور اسلام وہ واحد شیئ ہے جو انسانوں کے ذہنوں میں ابھرنے والے ان گھٹن اور خطرناک سوالوں کا جواب دے سکتا ہے اور اسی کی مفید اور کارآمد تعلیمات سے انسان کی زندگی قیمتی سے قیمتی بن سکتی ہے اور بغیر اس حقیقت کو سمجھے انسان کا وجود مٹی کا ایک تودہ اور خاک کا ایک بے وزن وبے حیثیت ذرہ ہے، اس وسیع وعریض دنیا کے سامنے اس کی کوئی قیمت نہیں اور نہ ہی وہ اپنی عمر اور ایام زندگی ہی کے اعتبار سے کسی قطار وشمار میں آسکتا ہے، اس لئے کہ یہ زمین، اس کے تمام طبقات اور زمانہ مستقبل کی درازی کے سامنے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے

اس انسانی عمر سے کہیں زیادہ طویل العمر ہیں، اور نہ قدرت وطاقت ہی کے اعتبار سے اس کا کوئی امتیاز قائم رہ جائے گا اس لئے کہ وہ قدرتی واقعات جو کبھی کبھی زلزلے، طوفان اور سیلاب یا کسی اور آسمانی آفتوں کی شکل میں آتے ہیں اور انسان سمیت ساری چیزوں کو تہس نہس کر دیتے ہیں اور اس سے بھی طاقت ور اور مضبوط ہیں، پوری قوم ان واقعات کے سامنے عاجز ومجبور رہتی ہے اور اس کا سارا علم، تمام تر سائنسی تدبیریں اور ٹکنالوجیاتی آلات دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، بلا شبہ ایمان ہی ہر زمانہ میں نجات کا ذریعہ ہے اس کے ذریعہ انسان کے اندر داخلی، خارجی ہر اعتبار سے تبدیلی وانقلاب آسکتا ہے ورنہ تو اس کی ہلاکت اور ضلالت میں کوئی تامل نہیں کیونکہ انسان کوئی جانور تو نہیں جسے مہار لگا کر صحیح راستہ پر ڈال دیا جائے اور نہ ہی لوہے پیتل وغیرہ دھات کی بنی ہوئی کوئی مشین ہے جسے ایک ہی طرح کی نقل وحرکت کرنے پر فٹ کر دیا جائے، بلکہ انسان کو منجانب اللہ کچھ اختیارات اور عقل وفہم کی غیر معمولی صلاحیت عطا کی گئی ہے جس کے سبب بجائے اس کے کہ وہ اسے احکام خداوندی کے موافق استعمال کرتا اپنے کو مستقل ہر چیز سے بے نیاز اور غیر تابع سمجھتا ہے یہ انسان کی ایسی زبردست بھول ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔

ایمان کی بدولت انسان میں ایک خاص قسم کی حرکت پائی جاتی ہے جو اسے اپنے سے جڑے رہنے پر ابھارتی ہے اور ایک خاص قسم کی قوت وطاقت اس میں پیدا ہو جاتی ہے جو ہر نقصان دہ اور ضرر رساں اشیاء سے اسے محفوظ رکھتی ہے، پھر انسان میں ایک نئی زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جاگ اٹھتی ہے وہ نئے فلسفے اور نئے عزم وحوصلہ کے ساتھ اپنے صحیح راستہ پر چل پڑتا ہے انبیاء علیہم السلام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور پھر مومنین صادقین کی زندگیوں کے ایک ایک گوشے کو وہ دیکھتا اور اسے اپنے لئے حرز جان بنالیتا ہے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ فرعون کے جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے متاثر ہو کر جب اسلام میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے خلاف فرعون کی طاقت وقوت کو چیلنج کر دیا اور

اس کے رعب ودبدبہ اورشان وشوکت سے مرعوب ہوئے بغیر کہا :''**فاقض ماأنت قاض انما تقضی هذه الحياة الدنيا**'' کہ ہم تو موسی اور اس کے رب پر ایمان لا چکے ہیں اب تم کو جو کچھ کرنا ہے کرلو بہت کروگے ہماری دنیاوی زندگی ختم کردوگے آخرت کی ہماری کامیابی اور اپنی ناکامی میں تمہارا کوئی تصرف نہیں چل سکے گا، اس ایمان کی بدولت ہم میں وہ اسپرٹ پیدا ہوگئی ہے کہ کوئی طاقت ہمارے قدموں کو متزلزل نہیں کرسکتی۔

اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ قبل از اسلام اہل عرب کس قسم کے جاہلی رسومات اور ذہنی اختراعات میں مبتلا تھے، ایمان نے انہیں ان جاہلی رسم ورواج سے نکال کر اسلام کی طرف پھیرا، وہ بتوں کی پوجا کرنے، اور بھیڑ، بکریاں چرانے کے سوا کچھ نہیں سوچتے تھے، مگر اسلام نے انہیں نسل انسانی کی قیادت وسیادت اور ہدایت کے لئے منتخب کیا۔

آپ مکہ میں ۱۳ سال رہے، اس دوران آپ کی ساری تگ ودواور تمام تر دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں کا مقصد ایمان کی بنیاد پر ایک جماعت اور امت تیار کرنا تھا ان ایام میں احکام اور شرعی قوانین نازل نہیں ہوئے جن کا تعلق معاشرتی اور سماجی امور سے ہو، نیز اسلام سے منحرف اور برگشتہ ہونے والوں سے انتقام لینے کا کوئی حکم نہیں آیا بلکہ قرآن کریم کا بالکلیہ رخ اور رسول مقبول کا سارا دھیان ایک امت بنانے پر تھا ایسی امت جو ایمان وایقان اور اعمال وکردار کے اعتبار سے کامل ومکمل ہو جس کے ذریعہ سارے عالم میں دین پھیلنے کا کام لیا جاسکے، چنانچہ اللہ نے وہ مقدس جماعت تیار کی جسے ہم صحابہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اور ایمان وعقیدہ کی اصلاح کا یہ مبارک کام مکہ میں قیام کے دوران دارارقم میں انجام پاتا تھا، قرآن کریم مختلف واقعات وحالات کے اعتبار سے تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا تھا آپ اسے پڑھ کر سناتے، ان کے ایمان ویقین کو بناتے اور ان کی بہترین اصلاح وتربیت کرتے، ساتھ ہی ساتھ مشرکین مکہ کے بعض اعتراضات کے جواب بھی دے جاتے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

''**وقرآنا فرقناه لتقرأه على الناس على مكث ونزلناه تنزيلاً**'' (سورہ بنی اسرائیل)

(ہم نے اس قرآن کو الگ الگ کر کے بیان فرمایا تا کہ آپ لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سنائیں اور ہم نے اسے (ضرورت کے لحاظ سے) تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا)۔

"وقال الذین کفروا لو لا نزل علیه القرآن جملة واحدة کذلک لنثبت به فوادک ورتلناه ترتیلاً" (سورہ فرقان) (اور یہ کافریوں کہتے ہیں کہ یہ قرآن پیغمبر پر دفعتاً کیوں نہ نازل ہوا، ہم نے تدریجاً اسے اس لئے نازل کیا تا کہ اس کے ذریعہ ہم آپ کے دل کو قوی رکھیں، اور ہم نے اسے ٹھہرا ٹھہرا اتارا ہے)۔

آج اگر ہمیں اپنی اصلاح کی فکر ہے اور ہم سچے دل سے اپنی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہم کو اس کا صحیح رخ متعین کرنا پڑے گا، اور پھر اسی صحیح رخ پر اپنے اصلاحی سفر کا آغاز کرنا پڑے گا یعنی ہم پہلے اپنے اوپر پھر ایک ایک فرد بشر پر محنت کر کے قرآن اور تعلیمات رسول کی روشنی میں اس کی سوچ وفکر اور اس کے ظاہر و باطن کو درست کریں، اس کے ہر ہر قول وفعل اور عمل وکردار میں اعتدال وتوازن پیدا کریں۔ اس کی روحانیت اس قدر مضبوط اور پختہ ہو کہ فرائض وواجبات سے کسی حال میں سودا نہ کرے اور اس کی زندگی کے تمام شعبے عقائد، عبادات، اخلاق، معاشرت، قیادت اور سیاست ایمان کے نور سے منور وروشن ہو اپنے حق میں وہ صالح اور مفید اور غیر کے حق میں مصلح ومرشد ہو نتیجتاً وہ ان تمام دنیوی اور اخروی نقصان سے اپنے آپ کو بچالے جسے قرآن نے اس طرح بیان فرمایا:

{والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر} (سورہ عصر) (قسم ہے زمانہ کی کہ تمام انسان خسارے میں ہیں سوائے اس کے جو ایمان لے آیا اور نیک عمل کیا اور حق کی فہمائش کی اور صبر کیا)۔

بلاشبہ ایسا کامل اور نجات پانے والا انسان اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک کہ اس کے سامنے زندگی گذارنے کا کوئی واضح، کامل اور صحیح طریقہ موجود نہ ہو اور ایسا جامع طریقہ اسلام ہی ہے جو انسان کی طبیعت اور فطرت کے عین موافق ہے اس کے علاوہ ہر راستہ اور طریقہ

عنداللہ غیر قابل قبول اور مردود ہے اس امت کو بلا تامل اس پر عمل پیرا ہوجانا چاہئے اور اس کی روشنی میں زندگی کے قیمتی لمحات گذارنے کی سعی کرنا چاہئے اور اسلام کی انہی پاکیزہ تعلیمات کی روشنی میں اپنے بچوں اور بچیوں کی عمدہ تربیت کرنی چاہئے، اگر انسان زندگی کے ان راہ نما خطوط پر ازخود عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اب تنظیمیں، تحریکیں، کتابیں، ریڈیو، ٹیلی ویزن اور دیگر تمام ذرائع اس کی کوششوں کو مزید آگے بڑھا سکتے ہیں اور اس کی اس انقلابی اصلاحی منصوبے کو مفید سے مفید تر بنا سکتے ہیں ورنہ تو یہ صرف میٹھی باتیں اور زبان کے چٹخارے ہیں جس کے پیچھے کوئی مقصد نہیں اور نہ ہی آگے کی سمت کوئی منزل ہے جس کو جلد سے جلد چھو لینے کی کوشش کو سراہا جائے اور نہ ہی بگڑے ہوئے فاسد ماحول ومعاشرے کو کسی اور طرح سدھارا جاسکتا ہے، درحقیقت بغیر فرد کی اصلاحی کوشش کے صرف تحریک وتنظیم اور مکتب وادارہ کو درست کرنے کی کوشش ایسی ہے جیسے ایک طرف سے تو کوئی عمارت تعمیر کی جارہی ہو اور دوسری طرف سے کچھ لوگ اسے ڈھا رہے ہوں۔

شاعر کا یہ شعر اس ماحول کی کیسی عکاسی کررہا ہے:

هل يبلغ البنيان يوماً تمامه　　　اذا كنت تبنيه وغيرك يهدم

(کیا یہ عمارت کسی دن پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتی ہے جبکہ تم بنانے میں لگے ہو اور کوئی دوسرا اس کو ڈھا رہا ہے)۔

جہاد سے پہلے اس کی تربیت لازمی ہے:

جہاد سے پہلے اس کی ذہن سازی اور استعداد کا پیدا کرنا ایسا لازمی امر ہے جس کو سبھی مبلغین اور مترجمین ضروری سمجھتے ہیں، بلا شبہ انسان کامل کی تعمیر وترقی میں تربیت واستعداد سازی کا بڑا دخل ہے اس سے دعوت وارشاد کا بوجھ بآسانی اٹھایا جاسکتا ہے، اور اسلام کا پیغام بلا کم وکاست پوری دنیا میں پھیلایا جاسکتا ہے اور خود بھی وہ اسلام کی چلتی پھرتی تصویر بن کر لوگوں کے

سامنے اسلام کا عملی نمونہ پیش کرسکتا ہے، اس سطح کا کامل انسان تیار کرنا، اسلام میں بہرصورت مطلوب ہے لیکن جب دین کی تجدید واحیاء کی بات چلائی جائے گی تو پھر از سرنو سچے انسان کی تعمیر وتشکیل سب سے مقدم ہوگی جب بے دینی اور بے شعوری کی فضا عام ہوجائے اور امت پر دین اسلام کے متعلق وہن طاری ہوجائے اور دینی تعلیمات کی اصلیات وحقیقت پردہ خفا میں چلی جائے تو پھر احیاء دین کی جد وجہد اور ارشاد واصلاح کی ابتداء ناگزیر ہوجائے گی آج ضرورت ہے کہ نئی نسل کی تربیت اسی طرز پر کی جائے تا کہ متقدمین کا صحیح اسلام زندہ ہو، اور امت ہر قسم کے افراط وتفریط سے نکل کر راہ اعتدال پر قائم ہو۔

غرض جو شخص بھی اپنے اندر تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کا سچا جذبہ رکھتا ہے، اسے جہاد کی ہر کوشش سے پہلے معاشرہ کے ہر فرد کی ذہن سازی اور ان کے اندر از خود تبدیلی پیدا کرنے کی تحریک ناگزیر ہے۔

آپ دیکھیں قرآن نے ۱۳؍سال تک مکمل طور پر ایسے انسانوں کی تشکیل کی، ان کے اخلاق، اعمال اور ایمان کو کامل کیا، اور رسول کی ذات کو ان کے سامنے آئیڈیل اور نمونہ بنا کر پیش کیا، ارشاد باری تعالی ہے:

{لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوة حسنة} (تمہارے لئے رسول کی ذات میں کامل نمونہ ہے)۔

آپ ﷺ کے مکی دور میں قرآن نے مسلمانوں کے عقیدے کو پختہ کیا اور ان کے افکار وخیالات کو نئی سمت عطا کی، جاہلیت کی بنیادوں کو مسمار کرکے باطل نظریات کا قلع قمع کیا اور ہر قسم کے رزائل وخسائس سے پاک وصاف کر خدائے واحد سے انسانوں کا تعلق استوار کیا، سورہ مزمل کی ابتدائی آیتوں میں راتوں کے مخصوص اوقات میں قرآن پڑھنے کا حکم اور سحر کے وقت اٹھ کر مولائے حقیقی سے لو لگانے کی تعلیم اسی تربیت اور استعداد کو پیدا کرنے کے لئے تھی، چنانچہ ۱۳ سال کی مکی زندگی میں ان کا قلب ودماغ اور مزاج ومذاق بدل گیا اور ان کے دل کے

نہاں خانے میں اسلام کا بیج اس طرح پڑا کہ دین کی نصرت و امداد اور باطل کے خلاف جدو جہد اور سینہ سپر ہونے میں پھر ان کو کوئی تامل نہ رہا اور جہاد کا حکم پھر اس کے بعد آیا۔

ان ۱۳ سالوں میں حالت یہ تھی کہ جب بھی صحابہ زخم خوردہ اور تھکے ہارے آپ ﷺ کے پاس آتے اور آپ ﷺ سے اپنی درماندگی اور تکلیف کی شکایت کرتے تو آپ ﷺ انہیں صبر کی تلقین کرتے اور ''أقیموا الصلاۃ'' اور ''اتقوا اللہ'' کا یعنی نماز اور تقوی کا حکم فرما کر واپس کر دیتے کیا ان اعمال کا حکم دینا جہاد کی شان کو گھٹانا اور کم کرنا تھا نعوذ باللہ ایسی بات نہیں بلکہ وہ تو اسلام کا بڑا ہی اعلی وارفع حکم ہے لیکن بات چونکہ یہاں اولویات کی چل رہی ہے تو اولی یہی ہے جہاد سے پہلے اس سطح کی تربیت اور ٹریننگ ضروری ہے۔

تربیت کے تعلق سے سب سے اچھی بات تو یہ ہے کہ جہاد کے لئے انسان کے ذہن کو ہر وقت آمادہ رکھا جائے تا کہ جب اس کا موقع آئے تو بلا چوں و چرا سر بکف میدان کارزار میں کود پڑیں، چنانچہ سورہ مزمل میں ہے :

{علم أن سیکون منکم مرضی وآخرون یضربون فی الأرض یبتغون من فضل اللہ وآخرون یقاتلون فی سبیل اللہ} (سورہ مزمل) (اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ بعضے آدمی تم میں سے بیمار ہوں گے، اور بعضے تلاش معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے، اور بعضے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے)۔

اس آیت میں جہاد سے مراد جہاد بالسیف ہے ورنہ جہاد باللسان، جہاد بالعلم جہاد بالدعوہ کا حکم تو اول دن سے ہی ہے چنانچہ سورہ فرقان جو کہ ایک مکی سورہ ہے اس میں ہے : **{فلا تطع الکافرین وجاھدھم بہ جھاداً کبیراً}** (یعنی اے نبی! کافروں کی بات میں نہ آئیے اور ان کے بالمقابل پوری ثابت قدمی اور استقامت کا ثبوت دیجئے اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے لئے آلام ومصائب کا برداشت کرنا یہ بھی ایک قسم کا مجاہدہ ہے، **{أحسب الناس أن یترکوا أن یقولوا آمنا وھم لا یفتنون}** کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ایمان لانے کے بعد

انہیں آزمایا نہ جائے گا۔ {ومن جاهد فانما يجاهد لنفسه} جوشخص دین کے لئے مجاہدہ برداشت کرے گا تو اس کا فائدہ اس کو ملے گالہذا جس استعداد اور تربیت کی بات یہاں ہمارا موضوع سخن ہے وہ بھی ایک قسم کا جہاد ہے)۔

امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب ''الہدی النبوی'' میں ۱۳ درجہ جہاد کے لئے شمار کیا ہے ''۱'' نفس سے جہاد کے متعلق، ''۲'' شیطان سے جہاد کے متعلق، ''۳'' اہل بدعت کے خلاف اور ''۴'' کفار کے خلاف جس میں جہاد بالقلب، جہاد باللسان اور جہاد بالمال بھی ہے۔

علامہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ چونکہ افضل جہاد سخت سے سخت حالات میں بھی حق بات کہنا ہے نیز دشمنان اسلام سے جہاد کرنا اپنے نفس سے جہاد کرنے کی فرع ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے : ''المجاہد من جاہد نفسہ'' کہ اصل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے، اس لئے علی وجہ البصیرت یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اپنی تربیت اور اپنے نفس وخواہشات سے جہاد کرنا میدان کارزار میں کفار ومشرکین سے جہاد کرنے پر مقدم ہے۔ یہ بات طے ہے کہ جب تک انسان اللہ کے اوامر ونواہی کو بجالانے کے لئے اپنے نفس سے جہاد نہ کرے اور نہ ہی اللہ کے لئے اس سے آمادۂ جنگ ہو اس کو اللہ کے دشمنوں سے جنگ کرنا ناممکن ہے، کیونکہ انسان کا وہ دشمن جو خود اس کے پہلو میں بیٹھا ہوا ہے اور اپنا تسلط پوری طرح جما چکا ہے اس کو زیر اور مغلوب کئے بغیر خارجی دشمنوں سے چھٹکارا حاصل کرنا اور اس کے لئے اپنے گھر بار کو چھوڑنا کیسے ممکن ہوگا۔

انسان کے دو دشمن ہمہ وقت برسر پیکار رہتے ہیں ایک انسان کا اپنا نفس دوسرے اللہ کے اعداء اور پھر انہی کے درمیان ایک تیسرا دشمن شیطان بھی ہے مذکورہ دونوں دشمنوں سے جہاد کرنا اس تیسرے سے جہاد کے بغیر ممکن نہیں، شیطان مذکورہ دونوں دشمنوں کے درمیان کھڑا ہوکر جہاد فی سبیل اللہ میں پیش آنے والی دشواریوں اور راحت وآرام کی قربانیوں نیز عیش ومستی کی زندگی سے محرومی کو یاد دلاتا ہے، گویا شیطان سے مقابلہ کئے بغیر، نفس اور اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ پر آنے کا تصور ایک بے معنی لفظ ہے شیطان سے مقابلہ بقیہ دونوں سے

مقابلہ کی اصل اور بنیاد ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

{ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا} یہ شیطان تمہارا دشمن ہے، اسی لئے اس سے دشمنی نبھاؤ، شیطان سے دشمنی نبھانے کا حکم اس بات کا کھلا بیان ہے کہ اپنی پوری وسعت اس کے مقابلے پر خرچ کرنی چاہئے کیونکہ وہ ایسا دشمن ہے جو انسانوں سے اپنی دشمنی نبھانے میں کبھی کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا۔

خلاصہ بیان یہ کہ کل تین شیطان ہوئے اور ان سب سے جنگ وجدل کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ان تینوں سے لڑنے میں انسانوں کے لئے بڑی آزمائش ہے، کون اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کرتا ہے اور کون اس کے دشمنوں سے دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے، لہذا مومنوں کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے پوری محنت کریں اور اللہ سے ڈریں اور ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ اطاعت کی جائے وصیت نہ کی جائے، اسے یاد کیا جائے بھولا نہ جائے، اس کی شکر گذاری کی جائے ناشکری نہ کی جائے، چنانچہ پہلا جہاد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس سے جہاد کرے تا کہ دل ودماغ اور اعضاء وجوارح سب اللہ کے اطاعت گذار وفرمانبردار بن جائیں۔

شیطان سے جہاد کرنے اور لڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے حکم کی نافرمانی اور اس کے وعدے کی تکذیب کرے اس لئے کہ اس کی تمنائیں جھوٹی ہوتی ہیں وہ فقر وفاقہ اور فحش کاری کا حکم دیتا ہے، عفت و پاکدامنی، ورع وتقوی اور اللہ سے کئے ہوئے وعدے سے منع کرتا ہے، پس جہاں انسان نفس وشیطان دونوں سے برسرپیکار ہوگا تو وہاں اس کے اندر جہاد فی سبیل اللہ کی استعداد پیدا ہوجائے گی جس سے راہ خدا میں جان دینا اور فی سبیل اللہ جان ومال قربان کرنا آسان ہوگا۔

علامہ ابن قیم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سنیے مجموعی اعتبار سے جہاد کے ۴

درجے ہیں، (۱) نفس سے جہاد، (۲) شیطان سے جہاد کرنا، (۳) کفار ومشرکین سے جہاد کرنا، (۴) منافقین سے جہاد کرنا۔

نفس سے جہاد کے بھی ۴ درجے ہیں:

۱۔ نفس کو احکام الٰہی اور دین اسلام کی تعلیمات جاننے اور اس پر عمل پیرا ہونے پر آمادہ کرے جس کے بغیر دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی کا تصور ہی نہیں اگر انسان اس سے کنارہ کشی اور پہلوتہی کرے گا دائمی طور سے ناکام ونامراد رہے گا۔

۲۔ احکام الٰہی جاننے کے بعد نفس کو عمل کرنے پر آمادہ کرے ورنہ تو علم بلا عمل بے سود وبے فائدہ ہے بلکہ مواخذہ کا سبب ہے۔

۳۔ نفس کو اس بات پر تیار کرے کہ وہ لوگوں کو دین حق کی طرف بلائے اور نہ جاننے والوں کو حقیقت سے آگاہ کرے ورنہ تو ایسے لوگوں کا بھی شمار انہی لوگوں میں سے ہوجائے گا جو دلائل ومعجزات اور ہدایت کی باتوں کو چھپانے کے مرتکب ہوئے۔ اور انہیں عذاب الٰہی سے بچنا مشکل ہوگیا۔

۴۔ دعوت الی اللہ کے کام میں پیش آمدہ مشکلات کو جھیلنے پر نفس کو آمادہ کرنا اور مخلوق کی طرف سے آنے والی ہر مصیبت پر تحمل کا مظاہرہ کرنا۔

جب یہ چاروں صفت کسی نفس میں اکٹھا ہوجائے تو اللہ والوں میں داخل وشامل ہوجائے گا اکابر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کوئی عالم اس وقت تک عالم ربانی نہیں بن سکتا جب تک کہ حق کو پوری طرح پہچان کر اس پر عمل نہ کرے اور دل سے اس کی دعوت کی سعی نہ کرے، چنانچہ جب علم وعمل اور دعوت تینوں چیزیں مل جائیں گی تو وہ بہت بڑا اور قابل تعظیم ہوجائے گا۔

شیطان سے جہاد کے دو درجے ہیں:

۱۔ انسان کے ایمان میں شیطان جس طرح کے بھی شکوک وشبہات کو پیدا کرے وہ

اسے پوری قوت کے ساتھ دفع کرے۔

۲ — انسان کو شیطان شہوات وخواہشات میں مبتلا کرتا اور اس کے دل میں غلط اور گناہ کے خیالات پیدا کرتا ہے، اور وہ اس کام کی انجام دہی میں طرح طرح کے خطرناک حربے استعمال کرتا ہے انسان بڑے ہی صبر وتحمل کے ساتھ ان کا دفاع کرے اور اس طرح کے اعمال سے کوسوں دور رہے۔

پہلے میں کامیابی یقین بنانے سے ہوگی اور دوسرے میں صبر وتحمل اور اپنے آپ پر قابو اور کنٹرول کرنے سے ہوگی، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''وجعلنا منہم ائمۃ یہدون بأمرنا لما صبروا وکانوا بآیاتنا یوقنون''، یعنی ہم نے ان میں امام وقائدین پیدا کئے جو ہمارے حکم سے راہ نمائی کرتے ہیں کیونکہ وہ بڑے صبر کرنے والے اور یقین رکھنے والے ہیں پس معلوم ہوا کہ دین میں ترقی اور سربلندی صبر ویقین سے حاصل ہوگی۔ صبر شہوانی خیالات کو دور کرے گا اور یقین، شکوک وشبہات کا دروازہ بند کردے گا۔

کفار ومنافقین سے جہاد کے ۴ درجے ہیں:

۱ — جہاد بالقلم، ۲ — جہاد باللسان، ۳ — جہاد بالمال، ۴ — جہاد بالنفس۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ کفار کا جہاد زیادہ تر طاقت وقوت سے متعلق ہوتا ہے اور منافقین کا جہاد زیادہ تر زبان وبیان سے تعلق رکھتا ہے۔

ظالموں، بدعتیوں اور باغیوں سے جہاد کے ۳ درجے ہیں:

اگر قدرت ہو تو ہاتھ سے ان کے ساتھ جہاد کرے، اور اگر یہ بس میں نہ ہو تو زبان سے جہاد کرے یعنی زبان سے برسرعام ان کو روکے ٹوکے اور ان پر پوری جرأت کے ساتھ نکیر کرے اور ان کے اعمال بد کی قباحت وشناعت کو واضح طور پر بیان کرے، اگر وہ اس سے بھی عاجز ہو تو دل سے اس کے برے فعل کو برا جانے، یہ کل ۱۳ قسمیں جہاد کی ہوئیں،

حدیث میں ہے کہ جو شخص مر گیا اور جہاد کی کوئی قسم بھی اس کی زندگی میں نہ پائی گئی تو وہ نفاق کے ایک شعبے پر مرا۔

مذکورہ بالا ۱۳ قسموں میں سے پہلی ۶ قسمیں تربیت سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ان سب سے مقدم نفس اور شیطان سے جہاد کرنا ہے۔

جہاد پر تربیت اور ٹریننگ کو تقدم کیوں حاصل ہے:

جہاد فی سبیل اللہ سے پہلے اچھی تربیت، ذہن سازی اور مکمل ٹریننگ ہونے کے چند اسباب ہیں:

اول: جہاد فی سبیل اللہ ہر قسم کے جہاد کو نہیں کہتے بلکہ یہ تو ایک خاص نیت کے ساتھ خاص مقصد کے لئے یعنی اللہ کے راستہ میں اللہ کے لئے لڑنے کو کہتے ہیں۔

آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی ہے جو عصبیت کے سبب دوسرے سے جنگ کرتا ہے اور ایک دوسرا آدمی بہادری دکھانے کے لئے لڑتا ہے، ایک تیسرا آدمی غنیمت حاصل کرنے کے لئے لڑتا ہے اللہ کے راستہ میں لڑنے والا کون کہا جائے گا، آپ ﷺ نے جواب دیا: **"من قاتل لتکون کلمة اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ"** جو شخص محض اس نیت سے لڑے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو وہی اللہ کے راستہ کا مجاہد ہے جہاد کی یہ قسم ہر قسم کے دنیوی منافع سے خالی ہے، اس سے کسی بھی درجے میں دنیوی خوشحالی کی توقع نہیں کی جا سکتی اس قسم کے لئے ایک طویل المدتی تربیت اور لمبی ٹریننگ کی ضرورت ہے جو جہاد کو اللہ کے لئے خالص کر دے اور اللہ اسے اپنے لئے خالص کر لے۔

دوم: اس جہاد سے زیادہ سے زیادہ انسان جس منفعت کی توقع کر سکتا ہے دنیاوی غلبہ اور مدد اور یہ غلبہ اور مدد اس وقت حاصل ہوگی جب کہ وہ مومن صادق اور غلبہ کا مستحق ہو اور اپنی تمام تر ذمہ داریوں کو بخوبی ادا کرتا ہو، ایسے ہی لوگوں کا اللہ نے ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے،

{ولينصرن الله من ينصره, ان الله لقوی عزيز الذين ان مكناهم في الأرض أقاموا الصلاة وآتوا الزكاة وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر} (سورہ حج) (اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرتے ہیں، بلاشبہ اللہ بڑی طاقت والا اور زبردست ہے، وہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں قدرت دیتے ہیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں، بھلائیوں کا حکم کرتے اور برائیوں سے روکتے ہیں، **{وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم في الأرض كما استخلف الذين من قبلهم}** (سورہ نور) (جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیا اللہ تعالی نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ ضرور ان کو زمین کی خلافت اور حکمرانی عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلے نیک لوگوں کو خلیفہ بنایا گیا۔

جن لوگوں کو تربیت اور اصلاح قلب سے پہلے خلافت اور غلبہ مل جاتا ہے اکثر ان سے مفاسد کا صدور ہونے لگتا ہے۔

سوم: اللہ کی سنت اور طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ زمین پر غلبہ، خلافت اور حکمرانی واقتدار اسی وقت دیتا ہے جبکہ اپنے محبوب بندوں کو ابتلا وآزمائش کی بھٹی میں خوب تپا اور پکا لیتا ہے اور ان کے اخلاص ونیک نیتی کو اچھی طرح پرکھ لیتا ہے اور ان کے دل سے ہر قسم کے مفاسد اور مفاد پرستی کے شائبہ کو دور کر دیتا ہے ہر زمانے اور عہد میں انبیاء، اولیاء، اتقیا اور اصحاب دعوت کے ساتھ اللہ کا دستور اور معمول یہی رہا ہے۔ امام شافعیؒ سے کسی نے پوچھا: مومن صادق کے لئے بہتر چیز کیا ہے، ان کی طرح طرح سے آزمائش یا خلافت اور حکمرانی تو آپؒ نے جواب دیا: غلبہ اور حکمرانی بغیر ابتلاء وآزمائش کے آتی ہی نہیں۔ اللہ تعالی نے یوسف علیہ السلام کو پہلے خوب آزمایا پھر خلافت عطا فرمائی، اللہ تعالی کا فرمان ہے: **{وكذلك مكنا ليوسف في الأرض يتبوأ منها حيث يشاء}** (سورہ یوسف) (اسی طرح ہم نے یوسف کو زمین میں خلافت دی کہ وہ جہاں چاہے رہے سہے)۔

وہ غلبہ اور حکمرانی جس کے پیچھے کوئی محنت نہ ہو بہت سہل طریقے سے حاصل ہو اس

کے چلے جانے کا زیادہ خطرہ رہتا ہے،لوگ اس کی قدر نہیں کر پاتے یا اس کے تعلق سے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیتے ہیں اس کے برعکس جس کے پیچھے مجاہدہ اور قربانی ہو، جان ومال خرچ کرنا اور نرم وگرم برداشت کرنا پڑتا ہو اس کے تئیں احتیاط زیادہ برتی جاتی ہے، اور اس کا زیاں اپنی جان کا زیاں تصور کیا جاتا ہے۔

فکری جہاد کی اولویت

اصلاح وتربیت کے میدان میں سب سے زیادہ افکار وتصورات کی اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے۔فکر ونظر کا زاویہ پہلے ٹھیک اور درست ہونا چاہئے، بلا شبہ ہر اصلاحی عمل کی بنیاد فکر ونظر کی درستگی پر ہی استوار ہوتی ہے۔ یہ بالکل غیر معتدل بلکہ ناممکن سی بات ہے کہ فکر ونظر کی کجی اور خرابی کے ساتھ عمل درست ہوجائے کسی شاعر کا قول ہے :

"**متی یستقیم الظل والعود أعوج**"؟ (اگر لکڑی ٹیڑھی ہو تو سایہ سیدھا کیسے ہوسکتا ہے؟)۔

اگر کسی کا تصور ونظریہ غلط ہے تو اس سے عمل اور کردار بھی غلط سرزد ہوگا، افعال واعمال ہمیشہ افکار وخیالات کے تابع ہوا کرتے ہیں، اس لئے اگر افکار صحیح ہیں تو عمل صحیح، ورنہ غلط ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔

اسی وجہ سے فکری جہاد کو جس میں غلط افکار ونظریات کی اصلاح کی سمت توجہ دی جاتی ہے عملی جہاد پر ترجیح حاصل ہے، اور یہ قرآن مقدس کی روشنی میں جہاد کبیر کی ایک قسم ہے اس کا ذکر سورہ فرقان میں موجود ہے اور اسے زبان وبیان کے جہاد کی بھی ایک قسم قرار دیا گیا ہے جس کا مندرجہ ذیل حدیث میں ذکر ہے :"**جاھدوا المشرکین بأموالکم وأنفسکم وألسنتکم**"

(رواہ احمد وابوداؤد) (مشرکین سے جہاد کرو جان، مال اور زبان وبیان کے ذریعہ)۔

فکری جہاد اسلامی نقطہ نظر سے:

فکری جہاد کے دو بنیادی بڑے میدان ہیں:

اول: اسلامی معاشرہ کے باہر ملحدین، منصرین اور مستشرقین سے جہاد کرنا جو اسلام کو اپنے نظریاتی حملوں کا نشانہ بناتے ہیں، اور اسلام کی تہذیب وثقافت پر اعتراض کے تیر برسا کر لوگوں کو شکوک وشقوق میں مبتلا کرتے ہیں اور اسلامی بنیادوں پر قائم ہونے والی ہر ترقی اور بیداری کی مخالفت ومعاندت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں چھوڑتے۔

دوم: اسلامی معاشرے کے اندر عمل وکردار کے مختلف شعبوں میں غلط خیالات کو رد کرنا اور غلط نظریہ کی اصلاح ودرستی کر کے ہر شخص کے رفتار وگفتار اور حرکات وسکنات کو صحیح سمت عطا کرنا۔

ہماری گفتگو بھی اسی سلسلہ میں ہے اس لئے کہ داخلی اصلاح ہی اصل اور بنیاد ہے اس کو اولیت کا درجہ بہر حال حاصل ہے، اس قسم کے بھی چند گوشے اور پہلو ہیں:

خرافاتی پہلو:

اس خرافاتی پہلو کے چند ذیلی خصوصیات وامتیازات ہیں:

(۱) اعتقادی خرابی، (۲) عبادات میں رسم ورواج کی بدعتیں، (۳) فکری جمود، (۴) فقہی تقلید، (۵) منفی طریقہ کار، (۶) سیاسی مداہنت اور ہر ایک کی ہاں میں ہاں ملانے کا مزاج۔

حرفی پہلو:

حرفی خرافاتی اور نقصان دہ پہلو کے بھی چند ذیلی گوشے ہیں، جو اکثر مبلغین ومتبعین میں

درآئے ہیں، حالانکہ دین کے تمام معاملات میں خود تشدد و تحکم پہلے سے موجود ہے اسلام اپنی تمام باتیں ٹھوس اور زوردار انداز میں کہتا ہے۔

(۱) عقائدی جدال، (۲) عبادت میں شکلیت، (۳) فقہ میں ظاہر پرستی، (۴) جزئیات کا اہتمام، (۵) روحانی خشکی، (۶) دعوتی اسلوب میں کھرا پن، (۷) اختلاف سے تنگی محسوس کرنا۔

سختی اور انکار کا پہلو:

ایک پہلو سختی وانکار کا بھی ہے جس میں معاشرے اور معاشرے کے تمام اداروں، تنظیموں اور تحریکوں سے یکلخت دست برداری اور انکار کا ذہن ودماغ بن جاتا ہے حالانکہ اس وصف کے حامل افراد اکثر جوش وجذبہ اور اخلاص کے اعلیٰ سطح پر فائز ہوتے ہیں:

۱ــ دینی امور کے التزام میں حد درجہ شدت اور سختی۔

۲ــ ایسا احساس فخر اپنے اندر پیدا ہو جانا جو پورے معاشرے پر غلبہ کا خواہش مند ہو۔

۳ــ اپنے علاوہ دیگر تمام لوگوں سے بدگمانی۔

۴ــ دینی حقائق، اور کائنات کے معاشرتی اصولوں کی سمجھ بوجھ میں ناپختگی اور تنگ نظری۔

۵ــ وقت سے پہلے ہر کام میں جلد بازی کرنا۔

۶ــ بغیر احتیاط تکفیر میں جلد بازی۔

۷ــ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے قوت کو جمع کرنے میں جلدی کرنا۔

معتدل اور وسطی پہلو:

معتدل اور درمیانی پہلو توازن قائم رکھتا ہے، اس میں دین، زندگی، کائنات اور روئے زمین کے ہر خطہ میں دین نافذ کرنے میں اعتدال وانصاف کا لحاظ رکھا جاتا ہے اس کے

بھی چند خصائص و امتیاز ہیں جن کی بنیاد مندرجہ ذیل اصولوں پر قائم ہے:

۱ — دین کی ایسی سمجھ جس میں جامعیت، گہرائی اور گیرائی ہو۔

۲ — زندگی کے حقائق کو بلا کم و کاست سمجھنا نہ کسی چیز کو اس کی حقیقی حیثیت سے آگے بڑھانا اور نہ پیچھے کرنا خواہ اس کا تعلق مسلمانوں سے ہو یا کسی اور قوم سے ہو۔

۳ — اللہ کے طے کردہ کائناتی نظام کے اصول وقوانین اور انسانی معاشرت کے ان آداب و اخلاق کے بنیادی پہلو کو دل میں بسانا جن میں تغیر وتبدل کا امکان نہیں۔

۴ — مقاصد شریعت کو سمجھنا اور شریعت مطہرہ کے ظواہر پر حد درجہ اصرار و التزام نہ کرنا۔

۵ — فقہ الاولولیات یا فقہ الموازنات میں مہارت تام کا پیدا کرنا یعنی ترجیحات کے مسائل سے صحیح واقفیت اور آگہی کا حاصل ہونا۔

۶ — دوسرے فرقوں کے ساتھ اختلاف کے اصول وآداب کو جاننا یعنی متفق علیہ مسائل میں تعاون اور مختلف فیہ مسائل میں رواداری برتنا۔

۷ — قدیم صالح اور جدید نافع کو جمع کرنا۔

۸ — شریعت کے اصول اور زمانہ کے بدلتے حالات کے درمیان صحیح موازنہ کر کے معتدل موقف تک پہنچنا۔

۹ — اس بات کو سمجھنا کہ فکری، نفسیاتی اور اخلاقی تبدیلی ہی ثقافتی تبدیلی کی بنیاد ہے۔

۱۰ — اسلام کو ایک مستقل تہذیب کے طور پر پیش کرنا تا کہ امت میں بیداری اور استحکام پیدا ہو اور عصر حاضر کے مادی فلسفوں اور غلط افکار وخیالات سے انسانیت کو بچایا جا سکے۔

۱۱ — فتاوے میں تیسیر اور دعوت وتبلیغ میں تبشیر کا پہلو اختیار کرنا۔

۱۲ — اسلام کے سیاسی وسماجی اقدار وروایات کو نمایاں اور اجاگر کرنا، مثلاً، آزادی، عزت نفس، شورائی نظام، اجتماعی عدل وانصاف اور انسانی حقوق وغیرہ کے اسلامی

نظام کو بیان کرنا۔

۱۳ــ مخالفین ومعاندین کے ساتھ اچھے انداز میں گفتگو کرنا خواہ وہ مسلمان ہی میں سے ہوں یا غیر مسلمین میں سے ہوں اور مخالفت بھی عقلی ہو یا روحانی۔

۱۴ــ اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کے لئے جہاد کا طریقہ اپنانا۔

یہ سب وہ پہلو ہیں جو ہمارے منشور میں شامل اور تمام مسلمانوں کے لئے آئیڈیل اور نمونہ ہیں، ہم اسی کے قائل ہیں اور لوگوں کو اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی کو اسلام کا اصلی نمائندہ پہلو سمجھتے ہیں۔ اسی کی دعوت قرآن وحدیث میں دی گئی ہے۔ صحابہ کرام اور خلفاء راشدین نے اسی کو اپنی زندگی میں اختیار کیا ہے۔

معتدل پہلو کے فرائض وواجبات:

بلاشبہ اسی رجحان سے امیدیں قائم ہیں، اور آنے والے کل میں اسی کے برگ وبار ظاہر ہوں گے، اس لئے اسی کی دعوت کو عام کرنے میں پوری محنت صرف کرنی چاہئے اسی رجحان کے حامل افراد تیار کرنے چاہئے اور اس کے مخالفین کو گفتگو کے ذریعہ مطمئن کرنا چاہئے اور غیروں کے اس خطرناک جال سے لوگوں کو بچانا چاہئے جس میں پھنسا کر اس رجحان ونظریہ سے دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مختلف دلائل وشواہد سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں آج داخلی اور خارجی طور پر اس اسلامی رجحان سے خوف زدہ ہیں، دل سے اس کو ناپسند کرتے ہیں اور دل میں اس کے لئے سخت عداوت رکھتے ہیں، پہلے یہ دشمنان اسلام تشدد پسند رجحان سے خوف محسوس کرتے تھے، لیکن آج ایک نیا نعرہ لگایا جارہا ہے وہ یہ کہ اعتدال پسند اسلام سے بچو یہ دوسری چیزوں کے بالمقابل زیادہ خطرناک ہے دوسرے رجحانات تو دیرپا نہیں ہوئے مگر اعتدال پسند رجحان لازوال اور دیرپا ہوتا ہے ابتداءاً یہ معتدل نظر آتا ہے مگر بعد میں چل کر یہ بھی

انتہا پسند ہوجاتا ہے اس لئے کہ ان کے زعم میں اسلام کے اندر انتہا پسندی خود داخل ہے۔ معاندین اسلام اس دیرپا اور زود اثر اسلامی رجحان سے زبردست خطرہ محسوس کررہے ہیں بلکہ اسے ''الخطر الأخضر'' یعنی سبز خطرہ سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ اس سے پہلے ''الخطر الأحمر'' یعنی سرخ خطرہ کو اپنے لئے زیادہ خطرناک سمجھتے تھے جس کا اشتراکیت کے زوال کے ساتھ ہی خاتمہ ہوگیا، لیکن ان کے انصاف پسند حضرات اس نظریے کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلام کا خطرہ فقط ایک وہم ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں اللہ کرے کہ وہ اسی میں مگن اور گم رہیں۔

اعتدال پسند اہل اسلام کا فریضہ ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی غلط بیانیوں کی قلعی کھولیں اور ان کی قوم کے عدل پسند حضرات سے گفتگو کرکے انہیں مطمئن کریں، نیز ان کے تلامذہ جو مختلف اسلامی ملکوں میں پائے جاتے ہیں اور اپنا نام اسلامی طرز کا رکھتے ہیں ان سے بھی مقابلہ کریں، کیونکہ یہ اپنے کو بظاہر مسلمان بتلا کر اسلامی کلچر، اور اسلامی تہذیب وثقافت سے متعلق تمام تر پروگراموں کی زبردست مخالفت کرتے ہیں اور امت مسلمہ کے دشمنوں کی صف میں کھڑے ہوجاتے ہیں، ان جیسے لوگوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت حذیفہؓ کی متفق علیہ حدیث ہے، اس کا ترجمہ اور مفہوم یہ ہے کہ ایسے لوگ جہنم کے دروازے پر کھڑے ہوکر لوگوں کو بلائیں گے، جو ان کی دعوت پر لبیک کہے گا وہ اسے جہنم میں ڈال دیں گے، آپ ﷺ سے کہا گیا آپ ان کا حلیہ بیان کردیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ ہماری ہی نسل کے ہوں گے اور ہماری ہی زبان بولیں گے۔

لہذا ایسے لوگوں سے نبردآزما ہونا ناگزیر قرار پائے گا جو امت کے مزاج کو بگاڑنا چاہتے ہیں اور اسلام کی بنیاد کھوکھلی کرنے کی ناجائز کوشش کرتے ہیں اور امت کے سامنے میٹھے شہد میں زہر ملا کر پیش کرتے ہیں، ان مقاصد کے حصول کے لئے کبھی تو یہ لٹریچر اور پمفلٹ شائع کرتے ہیں اور کبھی ریڈیو اور ٹیلی ویزن کا سہارا لیتے ہیں، اس کے علاوہ بھی بے شمار ذرائع ہیں جن سے مہلک نظریات کو منتقل کیا جاسکتا ہے، ان کی چالیں اور تدبیریں ایسی ہوتی ہیں جیسے

مہلک جراثیم جسم میں پہنچ کر جسم کو امراض کا مرکز بنا دیتے ہیں۔

یہ استعماری ذہنیت کے حامل مغرب پسند مسلمان ہوتے ہیں حالانکہ استعماریت اور سامراجیت ہمارے ملکوں سے بالکل رخصت ہوچکی ہے، بلاشبہ مستشرقین اور منصرین کے افکار ونظریات رکھنے والے لوگ اسلامی تہذیب کے ذرا بھی حامی وداعی نہیں ہوتے، جو کوئی مخلص بھی ہے تو اس کے پاس اسلامی تہذیب اوراس کے اصلی مصادر وذرائع کا صحیح علم نہیں ہے اور نہ ہی وہ اپنی زبان اوراس کے بیان پر کما حقہ قادر ہوتے ہیں۔

ہمارا مقابلہ درحقیقت ان سیکولر ذہنیت کے لوگوں سے ہے جو مغربیت کا خطرناک لبادہ اوڑھ کر اسلام اور اسلامی معاشرت کے خلاف محاذ آرائی کررہے ہیں، اسلامی بیداری اور اسلامی اخلاق وکردار کی تشکیل میں بڑی بڑی رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں، اور اسلام سے متعلق شکوک وشبہات میں مبتلا ہوں، ان کی ایک بڑی کوشش اس بات کے لئے ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا تعلق ان کے علماء اوران کی دینی واسلامی تحریکوں اور تنظیموں سے کاٹ دیا جائے۔

اس قسم کی ذہنیت رکھنے والے تمام لوگوں اور اداروں سے نبرد آزما ہونا واجب اور لازم ہے اوران سے چشم پوشی اپنے حقیقی دشمن کو دشمنی نکالنے کا موقع دینے کے مرادف سمجھی جائے گی۔ اس لئے یہ طرح طرح کے مہلک حربے اور تدبیریں اختیار کرتے ہیں، کبھی عقیدے وایمان کا کوئی جزئیہ ان کا موضوع بحث ہوگا اور کبھی فروعی اعمال واقوال کا جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ ان کی نیت میں اخلاص نام کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ اہل اسلام کے درمیان آپس میں اختلاف وانتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں، یقیناً اگر ہم میں سے کوئی ان کے دام میں پھنستا ہے تو وہ بہت بڑی مصیبت خریدتا ہے اگر یہ اس کی چوک ہے تب بھی نقصان تو لازمی ہے اور اگر بالقصد ایسا کرتا ہے تو یہ بلاشبہ اس کے لئے انتہائی ہلاکت خیز ہے، وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنا اسلام کے اندر چوری اور بہت بڑی خیانت کرنا ہے۔

ایک شاعر نے کیا ہی اچھا شعر کہا ہے:

اذا کنت لا تدری فتلک مصیبة

وان کنت تدری فالمصیبة أعظم

(اگراسے نہیں جانتے تب بھی یہ تمہارے لئے ضرررساں ہے اوراگر جان بوجھ کرایسا کررہے ہوتواس کا نقصان اورزیادہ ہے)۔

اعتدال کے رجحان کو جو ہر طرح کے افراط وتفریط سے خالی اور پاک ہو فروغ دینا اورامت مسلمہ کے شیرازہ کو جو اس وقت مختلف گروہوں، عقیدوں اور رجحان کی شکل میں بری طرح بکھرا ہوا ہے مجتمع کرنا ناگزیر ہے پوری قوت اور عزم واستقلال کے ساتھ بلاتفریق قوم وملت مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر یکجا کیا جانا چاہئے اوراس کے لئے ان بنیادوں کو اختیار کرنا اور معیار بنانا چاہئے جو سب کے نزدیک متفق علیہ ہیں، مثلاً چھ ارکان عقیدہ جیسے ایمان باللہ، وبالرسول، وبالملائکۃ، وبالکتب، وبالیوم الآخر، وبالقدرخیرہ وشرہ، اوراسلام کے پانچوں عملی ارکان جیسے شہادتین، نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، رمضان کا روزہ رکھنا، کعبہ کا حج کرنا، نیز اچھے اخلاق کی تعلیم اور گناہ کبیرہ سے اجتناب کلی کرنا، ان بنیادوں جب ہم امت کو اکٹھا کریں گے تو پھر ان شاء اللہ ہماری محنت بارآور ثابت ہوگی، اگر ہمارے درمیان جزئیات اور فروع میں اختلاف وتنوع ہے تو رہے، اجتہادی مسائل میں اختلاف ہوسکتا ہے اسی طرح طبائع اور ماحول ومعاشرہ کے اثرات سے، اسی طرح اپنے حالات اور کیفیات کے لحاظ سے جزئیات میں فرق پڑسکتا ہے جیسا کہ ہم نے اسے اپنی کتاب **"الصحوة الاسلامیة بین الاختلاف المشروع والتفرق المذموم"** میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اس کے علاوہ میں نے بہت ساری کتابوں میں یہ بات بصراحت لکھ دی ہے کہ اسلامی جماعتوں اور تنظیموں کا تعدد وتنوع فروعات میں یہ اسلام کی جامعیت واکملیت کے خلاف نہیں بلکہ یہ تو اسلام کے جامع وکامل ہی ہونے کی علامت ہے اسلام وہ مذہب ہے جس میں ہر ماحول ومعاشرے کو جس کی بنیاد صالحیت پر ہو سمانے کی صلاحیت رکھتا ہے اس میں تنگی یا

ایسی حد بندی نہیں ہے کہ اسلام میں رہ کر آدمی دنیاوی ضروریات یا زمانے کے لوازمات سے کٹ جائے بلکہ اس کے زریں اصولوں کو اپنانا خود معاشی واقتصادی استحکام کا باعث ہے۔

اس وقت کی اصل ضرورت یہ ہے کہ اسلام سے وابستہ جملہ افراد کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع کیا جائے اور اسلامی وحدت، اسلامی کلچر، دینی بیداری، اور قرآنی انسانیت ورواداری کے ماحول کو فروغ دیا جائے اور اپنے اندر سے ضد، عجب وغرور کے مادہ کو کھرچ کر نکالا جائے کسی کو نہ حقیر سمجھا جائے اور نہ ہی دوسرے پر اتہام والزام تھوپا جائے۔

"**بحسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم**" (یعنی آدمی کے برا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ دوسروں کو حقیر وکمتر گردانے)۔

اگر ہم نے اپنی ان ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں مداہنت سے کام لیا، اور اسلامی تہذیب وثقافت کے فروغ کو اولین ترجیح نہ دی تو یاد رکھیں اسلام کا بچانا اور اسلامی کلچر کو سنبھالنا بڑا مشکل ہوجائے گا، اسلام دشمن طاقتیں اپنے خونی پنجوں سے اسلام اور اسلام پسندوں کے بال و پر کونو چنے کے لئے بے تاب ہیں ایک ایک کر کے سب کو نگل لیں گی، اور ہمیں سوائے کف افسوس ملنے کے کوئی اور چارہ نہ رہے گا۔ اگر ہم میں بڑی جماعتوں او رتحریکوں کو قریب کرنے کی طاقت نہیں ہے تو کم از کم ہم ان سے گفتگو اور مباحثہ کر کے اپنے نقصان کو محدود کر سکتے ہیں حتی الوسع اپنے ارد گرد کے ماحول اور افراد کو ایک رخ دینے کی کوشش کریں، اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں متفق علیہ مسائل پر گفتگو کریں اور اختلافی جزئیات میں اغماض وچشم پوشی سے کام لیں، اگر ہم فکری وحدت سے دور رہیں گے تو سب کو مصائب ومشکلات کی وحدت میں آنا پڑے گا جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

فان یک الجنس یاابن الطلح فرقنا ان المصائب یجمعن المصابین

(اے ابن طلح اگر ہم جنس وقوم کی بنیاد پر متفرق ہوجائیں گے تو ہمیں مصائب ومشکلات کی وحدت میں جمع ہونا پڑے گا)۔

قوانین کا نفاذ یا اجراء شرعی احکام کی حفاظت کے لئے ہوتے ہیں تعلیم وتربیت کے لئے نہیں ہوتے:

جن پہلوؤں سے امت میں بگاڑ اور خرابی آئی ہے ان میں سے ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ جو لوگ اسلام کی خدمت کے نام پر میدان میں کام کر رہے ہیں یا کام کرنے کا جذبہ اور ذوق رکھتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی سب سے زیادہ توجہ اسلامی قانون کے نفاذ پر ہوتی ہے وہ بھی بطور خاص ان قوانین کے نفاذ پر جس کا تعلق عقوبت اور سزاؤں سے ہے جیسے حدود وقصاص اور تعزیرات، بلا شبہ یہ بھی توجہ اور دھیان دینے کی ایک چیز ہے اور دین وشریعت کا ایک اہم حصہ ہے مگر کامل توجہ اسی پر ہو یا سارے اسلامی امور کو چھوڑ کر اسی کو سب سے اصل اور بنیاد بنالینا نیز اس کے لئے مطالبات، اور قسم قسم کی سرکاری وغیر سرکاری طور پر کوشش کرنا، اس کے لئے پوری امت کی قوت وطاقت کو اکٹھا کرنا اور دوسرے پہلوؤں سے بیگانہ ہو جانا بالکل نامناسب اور حقیقت سے بعید بات ہے بلکہ ہمارے دشمنوں اور اسلام کے تئیں شر پسندوں کو غلط اسلامی سوچ اور نظریہ کی اشاعت کا موقع بھی ملتا ہے، میں نے متعدد بار یہ بات کہی ہے کہ اور اس وقت پھر کہہ رہا ہوں کہ قانون صالح معاشرے کی تشکیل نہیں کرتے اور نہ ہی امت کے رجحان وفکر کو بدلتے ہیں اس کے لئے تو تربیت اور اسلامی ذہن سازی پر جدوجہد ہے، جب معاشرہ تربیت وتعلیم سے اسلامی بن جائے پھر قانون نافذ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ اس ماحول، اور اسلامی احکام کو حفاظت وصیانت کا کام بآسانی اور پوری دیکھ ریکھ کے ساتھ انجام پاسکے۔

اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر حکم ومعاملہ کو اس کا حقیقی درجہ ومنصب عطا ہو اور امت میں دین پر کام کرنے والوں کو اس بات کا پورا موقع اور میدان فراہم کیا جائے کہ وہ امت کی ذہنی، فکری اور عملی ہر طرح کی تربیت واستعداد سازی کے کام کو وسعت دیں، اسلامی تربیت گاہیں، تربیت کے مراکز اور کیمپ جگہ جگہ کھلے اور چھوٹے چھوٹے اسلامی بچوں کے

لئے تعلیمی مدارس ہوں جس میں رکھ کر تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا اسلامی کورس چلایا جائے اور فراغت تک ہر قسم کے آلات واسباب ووسائل ان کے لئے فراہم کئے جائیں حتی کہ ان کے اندر دین اور دین کے احکام کی اہمیت وضرورت راسخ اور پختہ ہوجائے اور مستقبل میں وہ دین کے سچے پکے محافظ بن کر کھڑے ہوسکیں۔

اس قسم کی ذہن سازی اور فکری اصلاح صرف دین کے باب میں نہیں بلکہ دین ودنیا کے سارے ترقیاتی کاموں کو آگے بڑھانے اور اس میں استحکام لانے کے لئے اخلاص کے ساتھ محنت کرنے، مضبوط جدو جہد اور اپنے موافق فضا ہموار کرنے کی ضرورت پڑتی ہے کچھ ایسے افراد فراہم ہو ہی جائیں گے جو عقل وسمجھ اور وجدان وشعور میں کامل اور پختہ ہوں اور ان کے اندر اللہ سے سچی محبت ہو، اپنے دین اور وطن کی خدمت کو وہ سعادت سمجھیں غیر کے ساتھ رواداری، اور انسانوں کے ساتھ سچی انسانیت وہمدردی رکھیں۔

اس بات کی بھی پوری خبر ہو کہ باطل افکار ونظریات اور فلسفیانہ طور وطریق ہمارے اندر نہ آنے پائے ورنہ اسلام کی روح نکل جائے گی اور انسان انسانیت سے بہت دور چلا جائے گا۔

ایک آخری چیز جو عصر حاضر میں کسی بھی دینی پروگرام کو مؤثر بنانے کے لئے ضروری ہے وہ یہ کہ جدید ذرائع ابلاغ کو کام میں لایا جائے اور نشر واشاعت کے تعلق سے جو نئی ٹیکنالوجیاں اور جدید سائنسی ایجادات میسر ہوں ان سے حتی الوسع فائدہ اٹھایا جائے، اس لئے کہ یہ ذرائع نئی نسل کے لوگوں اور بطور خاص نوجوانوں کے ذہنوں کو بہت جلد اپنی طرف مائل کر لیتے ہیں، اور یہ ایجادات ان کے ذوق ومیلان طبع کے عین مطابق ہوتے ہیں اگر انہیں اہل اسلام استعمال نہ کریں گے تو یہ غیروں کے ہاتھوں استعمال ہوں گے اور اسلام اپنی تمام تر کوشش کے باوجود بھی ان کے قدم بقدم بھی نہ چل سکے گا مقابلہ تو دور کی بات ہے۔

اسلام کا سچا دردمند اور اسلامی ماحول کے وسیع تر فروغ کے لئے دو باتوں کا دھیان

میں رکھنا ناگزیر ہے:

۱- اسلام کی صحیح ترجمانی کرنے والے اطلاعاتی وابلاغی وسائل واسباب اور آلات مہیا کیئے جائیں اور ایسے مراکز وادارے وجود میں آئیں جو اسلام کی وسیع تر تعلیمات کو پھیلا سکیں، اور اللہ تعالی کے آسمانی دین کے تمام سوشوں اور گوشوں کو اس کی اصلی شکلوں میں اجاگر کیا جاسکے، کچھ لوگ ایسے ہوں جو تحریراً اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں تاکہ اخبار ورسائل سے دلچسپی رکھنے والے کو استفادہ کا موقع ملے اور کچھ تقریراً اسلام کی صحیح تصویر دنیا والوں کو دکھائیں علاوہ ازیں ڈرامائی اسٹیج، یا آرٹسٹ کے شعبے نیز پوسٹروں اور بینروں سے بھی بہت سا کام لیا جاسکتا ہے، یہ کام مشکل ضرور ہے گونا گوں دقتیں اور دشواریاں کھڑی ہوں گی مگر ہمت والے کو اپنی منزل پانے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔

۲- ذرائع ابلاغ، اخبار ورسائل، ریڈیو ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ جیسے عالمی اطلاعاتی اداروں میں کام کرنے والے مسلمان بھائیوں کو تلاش کیا جائے یقیناً ان میں بعض ایسے ہیں جو صوم وصلوۃ کے پابند اور انتہائی احتیاط برتنے والے ہیں گناہ کرنا ان کو شاق گذرتا ہے مگر اپنے علم وفہم اور تربیت وذہن سازی کی وجہ سے اپنے موجودہ کام کو کسی درجہ میں غلط نہیں سمجھتے بعض کی توجہ بسا اوقات ہوتی ہے یا کی جاتی ہے تو اس کے گردوپیش کے حالات اسے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتے۔

ضرورت یہاں اس بات کی ہے کہ انہیں مل کر بتلایا جائے اور تمام تر صورتحال سے بخوبی واقف کرایا جائے تاکہ دین کا صحیح مزاج جانیں اور سچے دل سے توبہ کر کے دین کے فروغ کے لئے اسلامی داعیوں کی صف میں شامل ہوجائیں۔

میں نے ادھر چند سالوں میں متعدد لوگوں کو دیکھا ہے جو ماہر آرٹسٹ تھے انہوں نے توبہ کی اور اپنے حالات یا دین وایمان کی حفاظت کی غرض سے اس پیشے سے علاحدہ ہوگئے حالانکہ ان کے لئے علاحدہ ہونے اور اپنے پیشے کو چھوڑنے سے بہتر یہ تھا کہ اس

دشوار گذار گھاٹی میں رہتے اور ہمت باندھ کر اپنی تمام تر جدو جہد اسلام کے فروغ کی طرف پھیر دیتے اور وہی الفاظ اپنی زبان سے دہراتے جسے اسلام لانے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے کہا تھا، آپؓ نے فرمایا تھا :''والله لا يبقى مكان كنت أعلن فيه الجاهلية الا أعلنت فيه الاسلام'' (یعنی جس جس جگہ میرے ذریعہ جاہلیت کو فروغ ہوا وہاں وہاں پہنچ کر میں ضرور اسلام کو پہنچاؤں گا)۔

لیکن یہ جبھی ہوسکتا ہے جب سر جوڑ کر بیٹھا جائے اور دین کے نام پر ایک دوسرے کا پورا تعاون کیا جائے اور تمام کھڑی ہونے والی رکاوٹوں کا جان توڑ مقابلہ کیا جائے۔

اللہ تعالی اس مقدس عمل کے لئے ہماری قابلیت واستعداد اور ذہنی وفکری صلاحیتوں کو قبول فرمائے (آمین)۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

تمت بالخير

۶ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ

۱۹ جنوری ۲۰۱۳ء

سنیچر بعد نماز عشاء